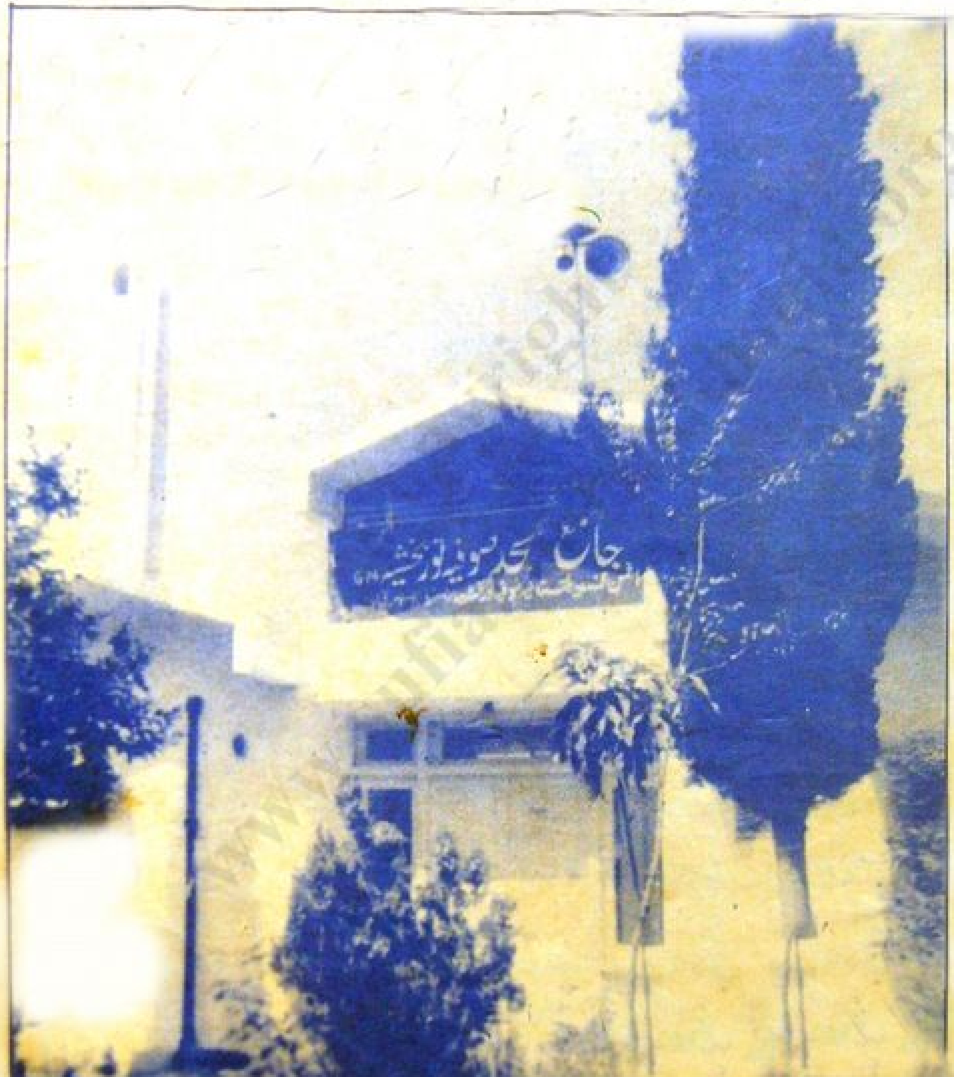
احیائے تصوف کا علمبردار

نوائے صوفیہ



نوائے صوفیہ
قسط نمبر ۵

نگرانی
ابوالعرفان علامہ محمد بشیر

صدارت
بابو محمد سلیم

اہتمام
فاچو محمد امین

تنظیم و رابطہ
غلام حسین معروفی

ترتیب
ڈاکٹر غازی محمد نعیم

تفکّر و تذکّر

تحریر: ابوالعرفان علامہ محمد بشیر

اس کائنات میں جملہ تکلیفی امور کا تعلق صرف جن اور انس سے ہے چنانچہ ارشادِ ربانی "وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ" سے اس کی خوب وضاحت ہوتی ہے۔ ان دونوں میں سے جو جو فردِ مکلف اپنی ذمہ داری سے عہدہ برآ ہونے میں کامران رہتا ہے وہ نویدِ الٰہی "فَرِيْقٌ فِي الْجَنَّةِ" کے زمرے میں آتا ہے۔ اور جو جو فرد مکلف اس سلسلہ میں ناکام رہتا ہے وہ وعیدِ الٰہی "وَفَرِيْقٌ فِي السَّعِيْرِ" کے حلقے میں آتا ہے۔

ناکامی کے اسباب

جن وانس کی نامرادی کے تین بنیادی اسباب ہیں۔

۱:۔ دل و دماغ میں فکرِ آخرت کا فقدان۔

۲:۔ جانے بوجھے طور پہ اندھے پن کا مظاہرہ

۳:۔ عمدًا بہرا پن کا اپنانا۔

قرآن پاک نے اس بات کو خوب آشکارا کر دیا ہے۔

وَلَقَدْ ذَرَأْنَا لِجَهَنَّمَ كَثِيْرًا مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ ۔ لَهُمْ قُلُوْبٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ بِهَا وَلَهُمْ اَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُوْنَ بِهَا وَلَهُمْ اٰذَانٌ لَّا يَسْمَعُوْنَ بِهَا ۔ اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ ط۔

یقیناً ہم نے دوزخ بھرنے کے لئے بہت سے ایسے جن وانس پیدا کر رکھے ہیں جو ایسے دلوں کے مالک ہیں جن کے ذریعے وہ غور و فکر نہیں کرتے ہیں وہ ایسی آنکھوں کے مالک ہیں جن کے ذریعے وہ حق بینی کا مظاہرہ نہیں کرتے اور وہ ایسے کانوں کے مالک ہیں جن کے ذریعہ وہ حق بات نہیں سن پاتے۔ ایسے حضرات جانوروں کی مانند ہیں بلکہ وہ تو جانوروں سے بھی گئے گذرے ہیں۔

یہ کھلی حقیقت ہے کہ ہر دور میں باطل پرستی کو پذیرائی حاصل رہی ہے۔ حق کی کڑواہٹ کو شہد کی حلاوت کی طرح نہایت اشتیاق کے ساتھ چکھنے والوں کی مٹھی بھر تعداد کو حق پرستی کی بھاری قیمت ادا کرنی پڑتی رہی ہے۔ صوفیانہ اسلامی معاشرے کے فقدان کی وجہ سے جہاں پر حق گوئی جرم ہو حق کو جرم گردانا جاتا ہو، اشاعتِ حق کی پُر زور مخالفت کی جاتی ہو، شریعتِ محمدیہ کا مضحکہ اڑایا جاتا ہو، اپنی لاعلمی کا مداوا نہ کرتا ہو اور اپنی عملی زندگی کو شریعتِ مطہرہ کے معیار پر اتارنے کا جرأتمندانہ اقدام نہ کرتا ہو بلکہ شریعت کو اپنی خواہشِ نفس کے معیار پہ اتارنا سنگین جرم کیا جاتا ہو جب احوال کی نزاکت کا یہ عالم ہو تو ملی وحدت کے انجام کا تصور کس قدر بھیانک ہوگا اس کا اندازہ لگانا ہر بیدار مغز فرزند قوم کے لئے نہایت آسان کام ہے بقول کسے !

آنکھ جو کچھ دیکھتی ہے لب پہ آسکتا نہیں محو حیرت ہوں کہ دنیا کیا سے کیا ہو جائے گی

گزارشِ احوالِ واقعی

غازی محمد نعیم

نوائے صوفیہ کے مندرجات کے بارے میں حلقۂ احباب میں سے کچھ حضرات کی تنقیدی آراء موصول ہوئی ہیں۔ چونکہ رسالے کے منتظمین اور مدیر کے نزدیک اس کے قارئین کی آراء نہایت قابلِ احترام و توجہ ہیں اس لئے اس ضمن میں پیدا شدہ چند ایک غلط فہمیوں کا ازالہ ضروری معلوم ہوتا ہے۔ اولاً "نوائے صوفیہ" کی غایتِ اشاعت کے متعلق کچھ کہنا ضروری ہے۔ ثانیاً کچھ باتیں اس رسالے کے موضوع اور منزلِ اصلی کے بارے میں ہوں گی اور انشاءاللہ اس بات کی وضاحت کی جائے گی کہ "نوائے صوفیہ" کیونکر ایک وسیع تر علمی تحریک کا نقطۂ آغاز ثابت ہوگا۔

یہ ان دنوں کی بات ہے جب مذہب اور تصوف کی دنیا میں ایسی کساد بازاری نہ تھی جیسی اب نظر آتی ہے۔ جابجا علم و عرفان کی محفلیں گرم ہوا کرتی تھیں خدا کا قرب حاصل کرنے کے طریقوں پر غور و خوض کیا جاتا تھا۔ لوگ مل جل کر عبادت اور ریاضت کرتے تھے غرض ایسا نورانی ماحول موجود تھا کہ ہر کسی کی روح کو تسکین اور ذہن کو جلا ملتی تھی۔ تب لوگ بہت زیادہ دنیا سے دل لگانے کے عادی نہ تھے اور اپنے جسم کی صحت کی نسبت روح کی صحت پر زیادہ توجہ دیتے تھے یکایک زمانے میں کچھ ایسی ہوا چلی کہ وہ محفلیں دھول اور دھواں بن کر رہ گئیں نظامِ زر کے پروردہ بے رحم تاجروں نے ایک ایک کر کے تمام اعلیٰ انسانی اقدار و روایات کا گلا گھونٹنا شروع کیا۔ ہر طرف ایک افراتفری سی مچ گئی اور لوگ حواس باختہ ہو کر اطراف و جوانب میں دوڑنے بھاگنے لگے۔ سکونِ قلب عنقا ہوا تو لوگ حصولِ مسرت کے سستے ذرائع کی طرف متوجہ ہو گئے۔ ان مسرتوں کا حصول سیم و زر سے ہی ممکن تھا اس لئے زر پرستی کو فروغ حاصل ہوتا گیا اور خدا پرستی کی باتیں طاقِ نسیاں کی زینت بنتی چلی گئیں۔ یہ وہ دنیا تھی جس میں ہم نے آنکھیں کھولیں اور جہاں ہم نے ہوش سنبھالا۔ ہم نے دیکھا کہ خانقاہوں میں ہو کا عالم تھا۔ علم و ادب کی کتابوں سے طاقچے خالی تھے لوگوں کی پیشانیوں پر سے معرفت اور محبت کا نور بجھ گیا تھا۔ ہم نے سوچا کہ کچھ اپنی سی کر دیکھیں اور آندھیوں اور طوفانوں کی راجدھانی میں کوئی چراغ جلائیں چنانچہ اپنی کم علمی اور ناتجربہ کاری کے باوجود ہم نے ۱۹۸۵ء میں اسلام آباد سے ایک رسالے کا آغاز کیا جس کا نام "نوائے صوفیہ" رکھا۔

یقیناً "نوائے صوفیہ" کا آغاز حصولِ زر یا نمود و نمائش کے نقطۂ نظر سے نہیں ہوا تھا بلکہ یہ چند ایک دردمندوں کی احیائے دین اور احیائے تصوف کے راستے میں ایک عاجزانہ سی کوشش تھی مگر ظاہر ہے کوئی کام کتنا ہی خلوص پر مبنی کیوں نہ ہو اس کو جاری رکھنے کے لئے اپنی تمام تر قباحتوں کے باوجود زر پھر بھی ایک بنیادی ضرورت ہے۔ ہمارے پاس خلوص کی دولت تو تھی مگر مال و زر کا فقدان تھا چنانچہ ہمارا کام زیادہ دیر نہ چل سکا۔ اس کے بعد کچھ طویل برس پھر اسی مہیب سناٹے کے عالم میں گزر گئے اس دوران میں کسی بھی جانب سے مذہبی نشر و اشاعت کے میدان میں کوئی پیش رفت نہ ہوئی تو ہم نے اپنی کم مائیگی کی پروا نہ کرتے ہوئے پھر ایک بار کمرِ ہمت باندھنے کی ٹھانی اور ہمت کے بادبانوں کے بل بوتے پر نوائے صوفیہ کی کشتی نے پھر جانبِ ساحلِ مراد اپنا سفر شروع کیا۔ بادِ مخالف تو چلا کرتی ہے مگر ہم لوگ جو اس کشتی کے سوار ہیں۔ ہمیں یکسو اور یک جہت ہو کر اپنے چپو سنبھالنے چاہئیں تاکہ ہزار موجوں کی کشاکش کے باوجود ہم اس کشتی کو طوفانوں سے صحیح و سالم نکال سکیں۔

"نوائے صوفیہ" کے چند اہم مقاصد حسبِ ذیل ہیں۔

۱:۔ تصوف کی احیائے نو کے لئے سعی کرنا۔

۲:۔ معاشرتی اصلاح کی کوشش کرنا۔

۳:۔ علمی تحقیق و تنقید کو فروغ دینا۔

۴:۔ نوجوان نسل اور نونہالوں کی تعلیم و تربیت کرنا اور ان میں اسلامی روح بیدار کرنا۔

۵:۔ اسلاف کی زندگیوں اور ان کی تعلیمات سے دورِ حاضر کے انسانوں کو آگاہ کرنا تاکہ ایک بار پھر دنیا بت پرستی چھوڑ کر خدا پرستی کا راستہ اختیار

۱۶- آئمہ طاہرین اور اولیاء کرام کی تعلیمات سے ملت کو روشناس کرانا۔
"نوائے صوفیہ" کا آغاز تعصب، تنگ نظری اور فرقہ پرستی کو فروغ دینے کی خاطر ہرگز نہیں کیا گیا تھا بلکہ ہمارا مشن تو ایسے خیالات کی اشاعت ہے جو تمام عالم اسلام بلکہ عالم انسانیت کے لئے مفید ہوں۔ جو خدا خوفی، محبت اور انسانیت کو فروغ دیں جو دورِ حاضر کے انسانوں کے قلوب کو خواہش زر کی بے رحم قید سے چھٹکارا دے کر یادِ الٰہی کا گہوارا بنائے اور جو حقیقی معنوں میں ایک اسلامی اور متصوفانہ رنگوں کے حامل معاشرے کی تشکیل میں اپنا کردار ادا کرے۔

"نوائے صوفیہ" اہل علم حضرات کا جریدہ ہے اس کے صفحات ان لوگوں کی خامہ فرسائی کے لئے وقف نہیں ہو سکتے جن کا دین و مذہب بقول اقبال فی سبیل اللہ فساد ہوتا ہے۔ ہم محبت اور بھائی چارے کو فروغ دینا چاہتے ہیں اور اتحاد بین المسلمین کے داعی ہیں یہی ہمارے اسلاف کا بھی مشن تھا وہ مذہب کے نام پر نفرت پھیلانے کے حامی نہ تھے بلکہ ان کا مذہب محبت اور انسانیت کا مذہب تھا جیسا کہ عرض کر چکا ہوں "نوائے صوفیہ" کا ایک اہم مشن مثبت علمی تحقیق اور تنقید کو فروغ دینا بھی ہے اس پلیٹ فارم پر وہ تمام اہل علم حضرات جو خلوص دل سے علم و عرفان کے نور کا فروغ چاہتے ہیں، اکٹھے ہو سکتے ہیں اور اپنی اپنی روشنیوں سے ایک دوسرے کو نواز سکتے ہیں۔ چنانچہ "نوائے صوفیہ" میں جوابات اور علمی نکتہ شائع ہو۔ تمام اہل علم حضرات کے لئے اس پر عالمانہ وقار کے ساتھ مثبت تنقید کا پورا حق حاصل ہے اس جریدے پر کسی مخصوص مکتب فکر سے تعلق رکھنے والے گروہ کی اجارہ داری نہیں ہو گی۔

اگرچہ نوائے صوفیہ کا بنیادی مقصد تصوف کا فروغ ہے مگر جیسا کہ تمام اہل علم بخوبی جانتے ہیں تصوف دین سے الگ کوئی چیز نہیں ہے بلکہ شریعت محمدیہ کے علمی پہلوؤں کی تشریح اور توضیح ہی کا نام ہے چنانچہ شرعی معاملات سے قارئین کو آگاہ کرنا بھی ہماری اہم ذمہ داری ہے اسی مقصد کے پیش نظر مجوزہ شریعت محمدیہ کے عنوان سے قارئین کو شریعت اسلامی کی اس اصلی صورت سے روشناس کرانے کی کوشش کی جاتی ہے جو خود رسول پاکؐ کے زمانے میں رائج تھی اور ہم اس بات کا اعلان کرنے میں نہایت مسرت محسوس کرتے ہیں کہ اگر کسی عالم اور فقیہہ کو ان شرعی احکامات کی تشریح اور توضیح کے کسی پہلو سے اختلاف ہو تو وہ اپنی عالمانہ تنقید مدیر "نوائے صوفیہ" کے نام ارسال فرمائے تاکہ اس کی اشاعت ممکن ہو سکے۔ ایسا کرتے ہوئے دراصل ہم اس حدیث مبارکہ پر عمل پیرا ہو سکیں گے جس میں فرمایا گیا ہے کہ میری امت (کے علماء) میں اختلاف باعث رحمت ہے۔

اس رسالے کی اشاعت کا نتیجہ اسی صورت میں حاصل ہو سکتا ہے کہ قارئین کرام اس کے مندرجات کو غور سے پڑھیں اور ان سے استفادہ کرنے کی کوشش کریں۔ نیز اس مشن کو جاری و ساری رکھنے کی غرض سے ہر ممکن اخلاقی، مالی اور قلمی معاونت کریں۔

آج کل کے دور میں جب جگہ جگہ فلمی رسالوں، جریدوں اور ڈائجسٹوں کی بھرمار ہے جن میں طرح طرح کی مخرب اخلاق اور لایعنی باتیں چھپتی ہیں، نوائے صوفیہ کی نوع کے اخلاقی و مذہبی رسالوں اور پمفلٹوں کی اشاعت جہاد فی سبیل اللہ کی ایک صورت ہے اس نوعیت کے رسالے گھروں میں موجود رہیں تو اولاد کی تعلیم و تربیت اسلامی خطوط پر ہونا اور ان کے قلوب و اذہان کو دین کے سانچے میں ڈھالنا ممکن ہو جاتا ہے۔

ہم نے محض اللہ تعالیٰ کی نصرت اور تائید کے بل بوتے پر اس کار خیر کا آغاز کیا ہے اور ہمارا عزم ہے کہ تمام تر مشکلات کے باوجود ہم حیات تصوف کے اس مشن کو جاری و ساری رکھیں گے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

(عنوان سلسلۃ الذہب)
کے تحت آدم الاولیاء حضرت علی علیہ السلام کے احوال شائع کر دیئے گئے ہیں۔ تصوف کے اس عظیم سلسلے کے دیگر بزرگان کرام کا تذکرہ بھی آئندہ قسطوں میں ترتیب وار شائع کیا جائے گا۔
"نوائے صوفیہ" کے اگلے شمارے میں سید الشہداء امام حسینؑ کے حالات شائع کئے جائیں گے۔ اہل قلم حضرات اپنی نگارشات سے نوازیں۔ مدیر

○

غمِ حسینؑ کیوں منایا جاتا ہے؟

ڈاکٹر حسین ذاکر
میرپور آزاد کشمیر

واقعہ کربلا تاریخ عالم میں دنیا کے مظلوم ترین ہستی کی عظیم ترین فتح کی ایک لازوال مثال ہے

آج تک یہ سمجھنے کی کوشش کم ہی ہوتی رہی ہے کہ سبط رسولؐ کیوں شہید ہوئے۔ آپ نے کس عظیم مقصد کے حصول کے لئے گھر بار لٹایا بلکہ عموماً یہ دیکھا، پڑھا اور لکھا جاتا ہے کہ حسینؑ کیسے مظلوم ہوا؛ یعنی واقعہ شہادت کو پیش کر کے حسینؑ کو مظلوم ترین انسان ثابت ثابت کرنے کی کوشش کی جاتی ہے یہ نہیں دیکھا جاتا کہ وہ مظلوم ہستی کائنات کا فاتح اعظم کیسے بنی؟ بہرحال فلسفہ شہادت کی مکمل تفصیل تو نہایت مشکل ہے لیکن جامع انداز میں شہادت امام عالی مقام ظالموں پر مظلوموں کی فتح، شرک پر توحید کی فتح، مادیت پر روحانیت کی فتح، نفرت پر محبت کی فتح، غرور و تکبر پر عجز و نیاز کی فتح جابر لشکر پر چند بے کسوں اور بے سہاروں کی فتح الحاد پر ایمان کی فتح کثرت پر قلت کی فتح، منافقوں پر مومنوں کی فتح، عیاشوں پر بھوک کے پیاسوں کی فتح اور درندہ صفت لوگوں پر معصوم انسانوں کی فتح عظیم ہے کسی بھی میدان میں فاتح ہمیشہ وہ ہوتا ہے جو اپنے مقصد میں کامیاب ہو جائے۔ وہ کچھ اسے مل جائے جو وہ حاصل کرنا چاہتا ہے اور وہ کچھ بچ جائے جو وہ بچانا چاہتا ہے۔ اور جس کے بچاؤ کے لئے وہ مخالفوں سے نبرد آزما ہو۔ اس لئے حسینؑ دنیا کے مظلوم ترین فاتح اعظم ہیں کیونکہ آپ کو وہ کچھ مل گیا جو آپ حاصل کرنا چاہتے تھے۔ اور وہ کچھ بچ گیا جو آپ بچانا چاہتے تھے۔

میرے نزدیک غم حسینؑ منانے کا مطلب صرف رونا پیٹنا نہیں یعنی رونا پیٹنا ماتم کی منزل نہیں، یہ تو صرف اظہار انسانیت اور ہمدردی ہے۔ ہم انسان ہیں اس لئے کسی بھی انسان پر ظلم برداشت نہیں کر سکتے خصوصاً جب محسن انسانیت کے نواسے پر ظلم ہو جائے تو کون برداشت کر سکتا ہے۔ اس لئے کربلا کی یاد میں رونا انسانیت کا تقاضا ہے۔ یعنی مظلوموں اور مجبوروں پر ترس کھانا انسانیت کا معیار ہے اور یوں رونا عبادت ہے اور اللہ ہر حزین دل کو پسند فرماتا ہے جہاں تک غم حسینؑ منانے کا تعلق ہے۔ تو اس کی غرض و غایت صرف رونا رلانا نہیں کچھ اور بھی ہے۔ ہم غم حسینؑ کو عبادت سمجھ کر مناتے ہیں رسم سمجھ کر یا کسی کو محض ستانے کے لئے نہیں۔ اس لئے ماتم کے لئے وہ تمام شرائط لازمی ہیں جو عبادت کے لئے ہیں۔ جو نماز کے لئے ہیں جو تلاوت قرآن کے لئے ہیں چونکہ حسین قرآن ناطق ہے اس لئے "لَا يَمَسُّهُ إِلَّا الْمُطَهَّرُونَ" کے حکم پر عمل کرتے ہوئے ہم مظلوم کربلا کی یاد مقام مقدس یعنی بیت اللہ میں باوضو ہو کر منانے کے پابند ہیں "مولود کعبہ کے فرزند ارجمند کا ذکر مسجد میں ہی کیا جانا چاہیئے" غم حسین میں شرکت کے لئے دل و نگاہ و دست و پا اور تمام اعضاء و جوارح کا پاک ہونا شرط ہے صرف اسی صورت میں فلسفہ شہادت کو سمجھا جا سکتا ہے۔ اگر کوئی ماتم میں صرف تماشہ دیکھنے کے لئے آئے تو ہمارے ہاں اس میں اور کوفہ و شام کے ان تماشائیوں میں کوئی فرق نہیں جو اہلبیت رسولؐ کو بازار شام سے گذرتے ہوئے دیکھنے کے لئے جمع ہوئے تھے میری مراد دل و نگاہ کی پاکیزگی، اسی طرح کسی بھی قسم کی ناپاکی سے عبادت گاہ کے تقدس کی پامالی جائز نہیں۔ کیونکہ حسینؑ مظلوم مقامات مقدسہ کے تقدس کو بحال رکھنے کے لئے ہی شہید ہوئے۔ جہاں تک سینہ زنی کا تعلق ہے تو جس آدمی میں عشق اویسؓ ہو یعنی اویس قرنی کے عشق کا سا معیار رکھتا ہو تو محبت حسینؑ میں اس معیار کے حامل لوگوں کے لئے ایسا کرنا مستحسن ہے۔ کیونکہ وہ غم محبوبیت میں اپنے آپ سے باہر ہو جاتا ہے۔ لیکن اگر کوئی کسی کی نقال یا دکھاوے یا محض رسم کی بنیاد پر ایسا کرنا چاہیئے تو بالکل نامناسب ہے۔ ماتم شبیرؑ از روئے قرآن و سنت ہے کیونکہ حضرت اسماعیلؑ کی قربانی کے ضمن میں اللہ نے فرمایا کہ ہم نے اسے ذبح عظیم کا فدیہ قرار دیا اور "اسے الآخرین" یعنی بعد والوں میں چھوڑا۔ ذبح عظیم کے "فدیے" میں ہر سال قربانی سنت ہے تو خود ذبح عظیم کی یاد کیوں سنت نہیں؟

اللہ اللہ بائے بسم اللہ پدر — معنیٔ ذبح عظیم آمد پسر

مظلوم کربلا کی پوری زندگی اور خصوصاً سفر عراق میں قدم قدم پر انسانیت کے لئے عموماً اور مسلمانوں کے لئے خصوصاً عظیم ترین تعلیمات

(۱) حسینؑ "کعبہ" کے تحفظ کے لئے حج کو عمرے میں بدل کر حج سے قبل مکہ سے عراق روانہ ہوئے تاکہ مکہ معظمہ میں حسینؑ کا خون نہ بہے۔ بالفاظ دیگر اس کے تقدس کی بقا کے لئے خون بہانے کربلا تشریف لے گئے۔

(۲) کوفیوں نے ہزاروں کی تعداد میں خطوط لکھے تو حسینؑ کوفہ والوں سے واقف ہوتے ہوئے بھی اپنے فرض منصبی یعنی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے عملی مشن پر روانہ ہوگئے۔

(۳) تاریخ کہتی ہے کہ حسینؑ نے یزید ملعون کے ہاتھ پر بیعت نہیں کی اور اسے حسینؑ کی عظمت قرار دیتی ہے بلکہ حقیقت یوں ہے۔ کہ ایک فاسق و فاجر کے ہاتھ پر بیعت نہ کرنا ہی حسین کی عظمت نہیں، عظمت اور حقیقت یہ ہے کہ حسین نے بے سروسامانی کے عالم میں بھی سلطان جابر، فاسق و فاجر اور دشمن انسانیت کے خلاف خروج کیا۔ یزیدیت کو ہمیشہ کے لئے مٹانے کی غرض سے حسینؑ نکلے۔

(۴) مظلوم کربلا نے دُنیا کی محکوم قوتوں کو درس حریت دیا اور یہ راز بتایا کہ عزت کی موت ذلت کی زندگی سے بہتر ہے کیونکہ مردان حر مر کر بھی سربلند رہتے ہیں۔ جیسا کہ سر حسینؑ جسم اطہر سے الگ ہو کر بھی نوک نیزہ پر سربلند رہا۔ اور زبان حال سے اعلان فرماتا رہا کہ نہ صرف آج تمہارے سادر پر خورشید تاباں کی طرح چمک رہا ہوں بلکہ ابد تک افق انسانیت پر نام حسینؑ آفتاب عالم تاب بن کر چمکتا رہے گا۔

(۵) نواسۂ رسولؐ نے راز توحید سے دنیا کو آشنا کیا اور کلمہ لا الٰہ الا اللہ کی عملی بنیاد بھی رکھ دی آپ نے عملاً دکھایا کہ جو سر اللہ کے سامنے جھکتا ہے وہ کسی غیر اللہ کے سامنے ہرگز نہیں جھکتا اور ذات وحدانیت کے سامنے دم آخر تک جھکنا ہی توحید کا تقاضا ہے۔

(۶) فرزند حیدر کرارؑ کا سب سے اہم فلسفہ جو سوز و گداز سے محروم بے ذوق لوگوں کے لئے معمہ بنا ہوا ہے، روحانیت سے محروم گروہ جسے سمجھنے سے قاصر ہیں وہ آپ کا فلسفہ عشق ہے یہ قوت عشق ہی ہے جس سے آپ نے ہر پست کو بالا کر دیا۔

صدق خلیل بھی ہے عشق، صبر حسینؑ بھی ہے عشق
معرکہ وجود میں بدر و حنین بھی ہے عشق

(۷) انسان کی آخری مجبوری بھوک پیاس اور اولاد و جان کی محبت ہے۔ اس لئے دنیا والے ان کے لئے سب کچھ کرنے کو تیار ہو جاتے ہیں۔ لیکن نواسۂ رسولؐ نے بلکتے بچوں کے ہونٹ تر کرنے کے لئے بھی باطل کو ہاں نہیں فرمایا اور دنیا والوں کو سکھا دیا کہ مجبور ترین وقت میں بھی اپنے نظریے پر ڈٹے رہو۔ غیر کو ہاں نہ کہو بلکہ ایسی حالت میں بھی اس سے نبرد آزما ہو جاؤ یہی کامیابی کا راز پیام شبیری ہے۔

مسلمانو! سُن لو کیا وجہ ہے کہ ہم معمولی سی چیز کے حصول کے لئے غیروں کی خوشامد کرتے ہیں تھوڑی سی رقم مل جائے تو عقیدہ، خودداری اور دین تک چھوڑنے کے لئے تیار ہو جاتے ہیں کیا یہی محبت حسینؑ ہے؟ کیا حسینؑ کو ماننے کا یہی تقاضا ہے؟ جیسا کہ پہلے بھی عرض کر چکا ہوں کہ ماتم منانے کا اصل مقصد فلسفہ حسینی کی ترویج ہے جو مختصراً اوپر بیان ہوا ہے۔

غم حسینؑ میں رونا اور واقعات سن کر آہیں بھرنا انسانیت کے تقاضے اور ماتم کی منزل نہیں۔ میرے نزدیک ماتم کی منزل یعنی غم حسین منانے کے اصل مقاصد یہ ہیں۔

۱۔ فلسفہ حسینی اور قربانی شبیریؑ کے اصل مقاصد کو اُجاگر کر کے دنیا تک پہنچانا۔

۲۔ دنیا کے مظلوم و مجبور انسانوں کو مظلوم کربلا کی زندگی پیش کر کے جگانا اور ان میں خودداری پیدا کرنا۔

۳۔ ہر دور کی یزیدی قوتوں کے خلاف شبیری طاقت کو منظم کرنا اور ظلم کے خلاف برسر پیکار ہونے کے لئے تیار کرنا۔

۴۔ دُنیا کو درس آزادی دینا اور بقائے دین کی خاطر ہر قربانی کے لئے آمادہ کرنا۔

۵۔ چادر تطہیر کے ذکر سے پردے کی اہمیت اور چادر کی عظمت اور تحفظ کا احساس دلانا

۶۔ پشیمان و معصومانِ کربلا کا ذکر کر کے انسانوں کے دلوں میں یتیموں اور معصوموں کے لئے محبت و شفقت کے جذبات پیدا کرنا۔

اور پھر اس مقصد کے حصول کے لئے کوشش کرنا جو ہماری منزل کربلا سے ہمیں ملا ہے۔ اعلیٰ انسانی اقدار کا تحفظ ہی حسینؑ کا مشن تھا چنانچہ قائدِ عشاق نے امام عشق بن کر دنیا کو ملوکیت کے بند هنوں سے آزاد ہونے کا گُر سکھایا اور ہمیں اعلیٰ ترین انسانی اقدار کی حقیقت سے روشناس کیا۔ جاناں کے سامنے جان کی بے مائیگی کو سمجھا یا کیونکہ

؎ کہ با جاناں حدیثِ جاں نباشد

حسین نے معیارِ عشق بتادیا اور فنا و بقا کے رازوں کو آشکار فرمایا۔ یہاں تک کہ عشقِ حسین ہی محبت انسانیت کا معیار بن گیا یعنی جو حسین سے محبت رکھتے ہیں وہ انسانیت دوست ہیں اور جو حسینؑ کا دشمن ہے وہ انسانیت کا دشمن ہے کیونکہ پھر وہ ظلم کا حامی ہے۔

امام عشق نے محبوب کے سامنے اس عجز و انکساری کا اظہار کیا ہے یوں سرِ تسلیم خم کیا، یوں سجدہ نیاز کیا کہ بقولِ شاعر

؎ تو نے وہ سجدہ کیا جس پہ خدا کو ناز ہے۔

انہی ناز و نیاز اور ایسی ہی اداؤں کا نام "عشق" ہے۔ تمام احباب و اقربا کی شہادت پہ ہر مرتبہ دل پہ چھُری چل گئی لیکن عشق کے مرہم سے علاج کیا۔ کیونکہ عشق ہر زخم کا مرہم ہے اور خود وہ زخم ہے جس سے مجروح ہو کر حیاتِ جاوید حاصل کرنے کے لئے تمام عشاق تڑپتے ہیں۔

معصوموں کی ہر آہ پہ سینہ فگار ہوتا رہا، شہدا کے خون کے ہر قطرے پر جگر خون ہوتا رہا۔ لیکن قوتِ عشق سے تسلیم و رضا کا پیکر بنا رہا صرف شکایت لب پہ نہ لایا بلکہ دعا ئے استقلال میں اضافہ ہوتا رہا۔ عصرِ عاشور کو عشق پوری آب و تاب کے ساتھ اپنی تمام تر رنگینیاں دکھا رہا تھا۔ قائدِ عشاق کی لالی کی مہر لگ چکی تھی وہ لالی صرف شفق کی سُرخی نہ تھی جو کائنات میں غمِ حسینؑ کی بقا کے لئے پھیل گئی بلکہ وہ تو ایک شعلہ تھا جو انسانوں کے دلوں میں سوزِ دروں بن کر جاگزیں ہوا۔

یہی وہ شعلہ ہے جو انسانوں کو زندگی کی حرارت عطا کرتا ہے جس میں اعمال کُپ کر کندن بن جاتے ہیں تڑپ نمو پاتی ہے خونِ جگر آنسوؤں کی شکل میں بہنے لگتا ہے جب کبھی دنیا میں ظلم و تشدد کے واقعات سننے میں آتے ہیں تو سیمابِ غیرت اس حرارت کی بدولت مضطرب ہو جاتا ہے جب کبھی مردانِ حُر اس حرارت کو لیکر میدان میں آتے ہیں تو طاغوت کے خس و خاشاک کو خاکستر کر دیتے ہیں جب حرارت ختم ہو جاتی ہے تو اشیاء جم جاتی ہیں اسی طرح جب کسی قوم میں عشق کی تپش سرد پڑ جاتی ہے تو اس پر جمود طاری ہو جاتا ہے۔

جمود فقدانِ عشق کا نتیجہ ہے جس دل میں یہ حرارت ہو وہ محبوب کی خوشی اور غم کو گرم جوشی سے مناتا ہے اپنے مردہ دلوں کو حیاتِ نو یعنی زندگی کی حرارت عطا کرتا ہے اسی حرارت کے تناسب سے روح اور اس کی صلاحیتیں بھی پارے کی طرح پھیل جاتی ہیں۔ جب شعلۂ عشق بکمال تمازت پر ہو تو ساری دنیا پہ چھا جاتا ہے۔ دنیا کی کوئی آگ اسے جلا نہیں سکتی۔ خاک و خون کے انگاروں پہ وہ محوِ راحت ہو سکتا ہے دنیا کی اس جلانے والی آگ کو ٹھنڈا کر کے "بَرْدًا وَّ سَلٰمًا" کا مصداق بنا دیتا ہے، یوں کہو کہ جس میں بھی عشق کی حرارت ہو ہر آگ اس سے پناہ مانگتی ہے اور الاماں کہتی ہے اگر سچا عاشق دوزخ کی دہکتی ہوئی آگ پر قدم رکھے تو وہ آگ خود جل کر فنا ہو جاتی ہے اور اپنی عینیت کھو کر اس قدم کے لئے گلستان بن جاتی ہے۔

؎ آتم کہ گر گذار کنم بر دل جہنم — دوزخ بہشت نار گُل یاسمین شود

کیونکہ حرارتِ عشق کی شدت ہر حرارت سے بڑھ کر ہوتی ہے۔ اسی حرارت، اسی شعلۂ عشق کا اصطلاحی نام "نور" ہے جو دکھا سکتا ہے اور جس میں سب کچھ دیکھا جا سکتا ہے نور روشنی نہیں بلکہ روشنی نور کی ایک مثال ہے نور سے ہر راہ اور ہر راستے کی آخری منزل دیکھی جا سکتی ہے روشنی صرف روشن چیز کو دیکھ سکتی ہے اور اس کے لئے بھی آنکھ اور مادی وجود کی ضرورت ہے لیکن نور روشن اور تاریک دونوں حصوں کو بغیر مادی وجود کے بھی آشکار کر دیتا ہے یعنی نور سے دیکھنے کے لئے یا ادراک حاصل کرنے کیلئے ظاہری آنکھ کی ضرورت نہیں۔ نہ ہی وجودِ مادی کی روشنی محدود ہے، نور لامحدود ہے، ماورا کو بھی دیکھا جا سکتا ہے اس لئے اولیاء اللہ انسانوں کو ظلمت سے نور کی طرف یعنی محدود سے لامحدود کی طرف، فنا سے بقا کی طرف، طبیعی سے مابعد الطبیعی کی طرف، مادیت سے روحانیت کی طرف، یاسیت سے رجائیت کی طرف، غلامی سے آزادی کی طرف، نفرت سے محبت کی طرف، زوال سے عروج کی طرف اور تحت الثریٰ سے اوجِ ثریا کی طرف لے جاتے ہیں۔ مظلومِ کربلاؑ دنیا کو ظلم کے اندھیرے غار سے نکال کر عدل و انصاف کے نور میں لے جانے والا مینارۂ نور ہیں آپ نور بخش یعنی نور عطا کرنے والے ہیں اور نور عطا کرنے والوں کے قافلہ سالار بھی خود ولی مطلق بھی ہیں کیونکہ آدم الاولیاءؑ کے جانشین بھی۔ خدا ہم سب کو اس نورِ باطن سے فیض یاب فرما کر فلسفۂ حسینی پر عمل پیرا ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔

آمین۔ (والسلام علیٰ من اتبع الہدیٰ)

احوالِ حضرت میر عارف رحمۃ اللہ علیہ

سید زاہد حسین الموسوی میر واعظ خانقاہ معلی سینو بلتستان

حضرت میر عارفؒ میر ابو سعید سعداؒ اور اپنے شاگرد اور مرید ملا زیرک کے ہمراہ کشمیر سے کھرمنگ پہنچے تو مقامی لوگوں نے آپ کو اپنے ہاں سکونت اختیار فرمانے کی دعوت دی مگر حضرت میرؒ اس دعوت کو قبول نہ کرتے ہوئے بلتستان تشریف لائے۔ اذان مغرب کے قریب جب موضع کریس کے نزدیک پہنچے تو راستے میں دریا حائل تھا۔ ان دنوں دریا کو کشتی کے ذریعے پار کیا جاتا تھا جو کہ دریا کے دوسرے کنارے پر پڑی تھی اور ملاح موجود نہیں تھا۔ ملا زیرک نے متفکر ہو کر عرض کیا کہ یا میر! اب ہم کیا کریں، رات پڑنے والی ہے اور دشمن ہمارے تعاقب میں ہے اور جان بچنے کی کوئی صورت نظر نہیں آتی۔

حضرت میر عارفؒ نے فرمایا تم اس کی پرواہ نہ کرو اور اپنی آنکھیں بند کر لو۔ پھر آنکھیں کھولنے کا حکم دیا تو ملا نے دیکھا کہ وہ دریا پار کر کریس کے علاقے میں پہنچ چکے تھے۔

حضرت میر عارفؒ نے کچھ عرصہ کریس میں دین کی تبلیغ فرمائی۔ بعد ازاں رحیم خان راجہ خپلو نے آپ کو بغرض تبلیغ خپلو تشریف لانے کی فرمائش کی اور وعدہ کیا کہ خپلو کے جس گاؤں میں آپ سکونت اختیار فرمانا چاہیں وہاں اراضی کے علاوہ دیگر تمام ضروریات زندگی کی فراہمی کا بھی بندوبست کیا جائے گا۔ ساتھ یہ بھی خیال ظاہر کیا کہ نالہ جات میں موضع پھڑوا اپنے موسم، ماحول اور پانی کی فراوانی کے لحاظ سے موزوں ترین جگہ ثابت ہوگی۔ چنانچہ حضرت میر عارفؒ ایک سو خدمت گاروں کے ہمراہ گرمی کے موسم میں سرمو سے بذریعہ زخ دریا پار کر کے غورسے اور ڈنڈسلا کے راستے راوجن ملنے پہنچے جو تھگس گاؤں کے بالکل سامنے واقع ہے۔ آپ نے استفسار فرمایا کہ اس گاؤں کا نام کیا ہے۔ خدمت گاروں نے عرض کیا کہ اسے تھگس کہتے ہیں۔ آپ نے فارسی میں فرمایا تھگس مانند مگس۔ اور فرمایا کہ اس گاؤں میں ایک خوبی تو یہ ہے کہ اس کا نقشہ کسی فرشتے کے جسم اور پروں سے مماثلت رکھتا ہے مگر ایک خرابی بھی ہے اور وہ یہ



کہ اس موضع کے لوگ چغل خور اور افواہ ساز ہیں۔ بہر حال موضع تھگس کو اپنی جائے سکونت کے طور پر پسند فرما کر واپس خپلو تشریف لائے اور راجہ کو اپنی رائے سے آگاہ فرمایا۔ راجہ نے ڈانڈالاگو، ہلدی، ہتھری نالہ ژہوس اور سینو کا سارا علاقہ حضرت میر عارف کے نام ہبہ کر کے آپ کو تبلیغ دین کی ذمہ داری سونپ دی۔ پھر حضرت میر عارفؒ نے نکاح فرمایا جس کے نتیجے میں ایک لڑکی مہر ناز اور لڑکا میر آرا پیدا ہوئے۔ لیکن میر آرا بوجہ نافرمانی عاق ہو کر گاؤں بدر ہوا اور سرمو میں آباد ہوا جس کی نسل سے سرمو کی میر فرذوق کی قوم چلی جو دو پشتوں کے بعد ختم ہوگئی۔ کومیک کے سادات بھی میر آرا کی نسل سے ہیں جبکہ علاقہ پھوربٹ کے دیگر تمام سادات میر نعیم کی نسل سے ہیں۔

(جاری ہے)

سلسلۂ نوربخشیہ کی مستند ترین تاریخ

تحفۃ الاحباب

غلام حسن سہروردی نوربخشی

راقم الاسطور کے ذاتی کتاب خانہ میں ملا محمد علی کشمیری کی کتاب تحفۃ الاحباب کی فوٹوسٹیٹ کاپی موجود ہے جو مرحوم پیر عون علی المرسوی کے پاس موجود نسخے سے تیار کی گئی ہے۔ شاید یہ نسخہ برصغیر کی حد تک واحد نسخہ ہے جو محفوظ بھی ہے اور مکمل بھی (۲)

کتاب ۲۳×۱۶/۱۴ کی تقطیع کے ۵۲۴ صفحات پر پھیلی ہوئی ہے ہر صفحہ ۱۷ سطروں اور ہر سطر اوسطاً ۱۵ الفاظ پر مشتمل ہے اس ضخیم کتاب کی کتابت کی تاریخ ترقیمہ میں اس طرح دی گئی ہے۔

تمت ھذہ الکتاب المسمی بتحفۃ الاحباب بتاریخ ثلث وعشر (کذا) من شھر جماد الثانی سنہ الفد خمسین من ھجرۃ پیغمبر علیہ السلام (۳)

ترقیمہ سمیت کتاب میں کسی جگہ کاتب کا نام نہیں آیا لیکن اس کا کاتب مصنف کا ہمنام مشہور کشمیری خطاط ملا محمد علی کشمیری ہے جو خط نستعلیق کے بہت اچھے خوشنویس گذرے ہیں جن کی لکھی ہوئی کتاب خلاصۃ المناقب (۴) اس کتابخانے کی متاع گراں ہے جسے انہوں نے ۱۰۹۲ھ میں کتابت کیا ہے۔ ان دونوں ترقیموں کا انداز کتابت، خط اور تحریر بالکل یکساں ہیں۔

پوری کتاب نہایت خوشخط خط نستعلیق میں کتابت ہوئی ہے حتیٰ کہ عربی عبارات بھی نستعلیق میں لکھی گئی ہیں۔ ابواب اور عناوین سرخ روشنائی سے کتابت کئے گئے ہیں۔ کتاب چار ابواب اور کچھ فصلوں میں مکمل کی گئی ہے۔ حیرت کی بات یہ ہے کہ آخری دونوں ابواب تین تین فصلوں پر مشتمل ہیں جب کہ پہلے دو ابواب فصلوں میں تقسیم نہیں کئے گئے کتاب کے مندرجات اس طرح ہیں۔

ابواب	صفحات	کل صفحات	کیفیت
مقدمہ	۱ تا ۹	۹	وجہ تصنیف اور نام کتاب وغیرہ
باب اول	۱۰ تا ۱۳۴	۲۵	عراقی کی پیدائش سفارت
باب دوم	۱۳۴ تا ۲۶۸	۱۳۴	عراقی کی کشمیر آمد اور کشمیر میں سرگرمیاں وغیرہ
باب سوم	۲۶۹ تا ۳۲۵	۶۶	عراقی کی ایران واپسی اور ایران میں قیام وغیرہ
باب چہارم	۳۲۵ تا ۵۲۴	۱۹۹	عراقی کی دوبارہ کشمیر آمد وفات سرگرمیاں اور بت شکنیاں

کتاب بے حد سلیس، رواں اور زوردار ہے اور فارسی شیریں میں فصاحت اور بلاغت کا شاہکار ہے۔ فاضل مصنف نے تفصیل وضاحت کی خاطر کافی اشعار کے علاوہ ایرانی بزرگوں کی ۳۹ کتابوں کے اقتباسات درج کئے ہیں، اس طرح اس کتاب میں نامور ایرانی مصنفین اور شعراء کے افکار و اقوال جمع ہیں، جن میں شیخ شہاب الدین سہروردی، سعدی، اسیری لاہیجی، عطار نیشاپوری، میر سید محمد نوربخش، میر سید علی ہمدانی، شیخ علاؤالدولہ سمنانی، شیخ نجم الدین کبریٰ، فخرالدین عراقی، مولانا روم اور عبدالرحمان جامی وغیرہ شامل ہیں، جس سے فاضل مصنف کے وسعت مطالعہ اور ذوق تحقیق کا اندازہ ہو جاتا ہے۔

کتاب کو مصنف نے خود ہی "تحفۃ الاحباب" سے موسوم کیا ہے جس کی وجہ انہوں نے درج ذیل بتائی ہے۔

چون سبب تحریر این رسالہ و باعث تسطیر این مقالہ التماس احباب و التماس اصحاب و التفاس ارباب بودہ بدان مناسبت این رسالہ موسوم گشت بتحفۃ الاحباب (۵)

کتاب کے مندرجات کے بارے میں مولف کا کہنا ہے کہ انہوں نے میر شمس الدین عراقی کے افکار و کرامات کے بارے میں مختلف لوگوں سے بہت سی باتیں سنی تھیں لوگوں کی زبانی جو بھی سنتے اپنے وا

ملا خلیل اللہ کو سنا کر اس کی ان سے تصدیق کراتے پھر وہ خود دوسروں کو سناتے اس طرح مؤلف کو عراق کے بارے میں مستند سمجھا جاتا تھا لوگ عراقی کے بارے میں مختلف باتوں میں ان سے رجوع کرتے تھے لوگوں کے بے حد اصرار پر انہوں نے ان باتوں کو کتابی صورت میں مدون کیا۔(۶)

ملا محمد علی کشمیر کے حالات زندگی دستیاب نہیں لیکن انہوں نے زیر بحث کتاب میں ایک واقعہ لکھا ہے جس سے ان کا سال ولادت متعین ہوتا ہے وہ لکھتے ہیں کہ میں اپنے والد بزرگوار کے ساتھ عراقی کی خدمت میں جایا کرتا تھا۔ ایک بار جب کہ میری عمر بارہ سال تھی میں والد کے ساتھ گیا اور آپ کے دست حق پرست پر بیعت کی اس واقعے کے دو سال بعد عراقی عراق (ایران) تشریف لے گئے (۷)

تواریخ کشمیر اور "تحفۃ الاحباب" سے ثابت ہے کہ عراقی ۸۹۶ھ کو خراسان واپس گئے تھے فاضل مصنف کے بیان کے مطابق عراقی کی واپسی سے دو سال پیشتر ان کی عمر بارہ سال تھی پس ۸۹۶ ۔ ۱۲ = ۸۸۲ھ ان کا سال پیدائش ہے۔ ان کے والد خلیل اللہ کشمیر کے بہت بڑے عالم تھے۔ دینی اور علمی حلقوں میں انہیں زبردست رسوخ حاصل تھا اور وہ میر شمس الدین عراقی کے خاص مریدوں میں سے تھے محمد علی نے مروجہ علوم وفنون انہی سے سیکھے اور کم سنی میں راہ طریقت وسلوک میں قدم رکھا مذکر نہ عراقی کے مریدوں کے مرید صوفی جمال الدین سے سیکھا اور عراقی کے مرید ہو گئے (۸)

اپنے والد کی طرح ملا محمد علی بھی بہت بڑے عالم دین تھے عربی اور فارسی کے زبردست انشاء پرداز تھے ان کا علمی وادبی ذوق اور تصنیف وتالیف میں استعداد زیر بحث کتاب سے عیاں ہے۔ کتاب کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ انہوں نے طویل عمر پائی ۹۹۰ھ میں وہ زندہ تھے۔(۹)

لیکن افسوس فارسی زبان کے اس عظیم مصنف اور نادر روزگار انشاء پرداز کی زندگی کی تفاصیل معلوم نہیں، حتیٰ کہ تاریخ وفات اور مقام تدفین بھی ہمارے علم سے باہر ہیں۔

مصنف ممدوح بہت عمدہ فارسی نثر نگار تھے انہوں نے اپنی کتاب میں بہت زیادہ تراکیب، استعارات، محاورات اور تلمیحات استعمال کی ہیں۔ ان کی تحریر بے حد رواں سلیس اور عام فہم ہے ایک غیر ایرانی دانشور کے قلم سے اس قدر شیریں فارسی میں ایسی ضخیم کتاب کا منصہ شہود پر آنا کشمیر کو ایران صغیر کہنے والوں کی بصیرت کو داد دینے پر مجبور کرتا ہے۔ جیسا کہ علامہ اقبال نے کہا ہے!

آج وہ کشمیر ہے محکوم ومجبور وفقیر
کل جسے اہل نظر کہتے تھے ایران صغیر (۱۰)

زیر بحث کتاب ایک ایرانی الاصل شخصیت میر شمس الدین محمد عراقی کے حالات زندگی، تعلیمات اور کارناموں پر مشتمل تفصیلی سوانح عمری ہے اس موضوع پر یہ واحد کتاب ہے جو عراقی کی وفات (۹۳۲ھ) سے تھوڑی مدت بعد لکھی گئی لیکن افسوس کہ عراقی کی شخصیت ان کی وفات کے بعد متنازعہ بن گئی۔ اگر یہ کتاب شائع ہو جائے تو ساری غلط فہمیاں اور اختلافات ختم ہو جائیں گے۔ مثلاً عراقی کے بلتستان جانے کے بارے میں مورخین میں کوئی اختلاف نہیں۔ لیکن بلتستان میں مدت قیام کے بارے میں اختلاف ہے مولوی حشمت اللہ نے پانچ چھ سال لکھا ہے (۱۱) ڈاکٹر صابر آفاقی نے پانچ سال (۱۲) پروفیسر محب الحسن اور سلیم خان گمی نے ۲ ماہ (۱۳) حقیقت یہ ہے کہ عراقی ۹۱۱ھ کے اوائل میں بلتستان پہنچے اور اسی سال کے موسم خزاں میں بلتستان سے واپس کشمیر چلے گئے تھے۔ اس طرح بلتستان میں وہ چھ ماہ کے لگ بھگ رہے تھے۔ (۱۴) اس کی تائید "طبقات نوریہ" کے اندراجات سے بھی ہوتی ہے۔ (۱۵)

اسی طرح عراقی کے فقہی مذہب کے بارے میں اختلاف ہے روشن علی ہندی، عبدالرشید انصاری، اور شیخ محمد اکرام انہیں شیعہ قرار دیتے ہیں (۱۶) ڈاکٹر صابر آفاقی، سید محمود آزاد، سلیم خان گمی اور ڈاکٹر محمد ریاض شیعہ اور نوربخشیہ دونوں کے مبلغ لکھتے ہیں (۱۷) جب کہ مرزا حیدر کاشغری ابوالفضل، عبدالحمید خاور اور پروفیسر محب الحسن انہیں صرف نوربخشی مبلغ سمجھتے ہیں۔ (۱۸) "تحفۃ الاحباب" سے آخر الذکر گروہ کے نظریے کی تائید ہوتی ہے اس میں اٹھارہ مقامات پر عراقی نوربخشی مذہب پھیلانے کی تلقین کرتے ہیں۔ دو جگہ پوچھنے والوں کو اپنا مذہب نوربخشی بتاتے ہیں۔ (۱۹) اور ایک جگہ شیعہ اور سنی کے بارے میں اپنی ناپسندیدگی کا اظہار کرتے ہیں۔ (۲۰)

میر شمس الدین عراق ۸۴۳ھ کو ایران کے مشہور علاقے گیلان کے قصبے رشت میں پیدا ہوئے والدین نے ان کا نام محمد رکھا ماں باپ دونوں کی جانب سے موسوی سید تھے۔ بچپن ہی میں انہیں فقر و سلوک سے لگاؤ پیدا ہو گیا چنانچہ سید محمد نوربخش کے مریدوں کی صحبت اختیار کی جن میں سے شیخ محمد سمرقندی، شیخ محمود بحر آبادی شیخ محمد سلطی، شمس الدین اسیری لاہیجی اور شاہ قاسم فیض بخش وغیرہ کی خدمت میں اپنی عمر کا اکثر حصہ یعنی ۲۴ سال گذارے موخر الذکر نے جو، نوربخش قہستانی کے بیٹے اور خلیفہ مجاز تھے۔ انہیں شمس الدین کا لقب دیا اور اپنا نائب اور خلیفہ بنا کر کشمیر روانہ کر دیا۔ انہوں نے ۳۶ سال کشمیر میں گذارے۔ ایک بار بلتستان کا تبلیغی دورہ کیا۔ کشمیر اور بلتستان میں نوربخشی سلسلے کو رواج دیا۔ کشمیر کے حکمران زین العابدین کی آزاد سیکولر پالیسی کے نتیجے میں مرتد ہونیوالے ہزاروں افراد کو دوبارہ دائرہ اسلام میں داخل کیا۔ اور سینکڑوں بت خانے گرا کر ان کی جگہ پر مسجدیں اور خانقاہیں بنوائیں غرض ان کی مساعی جمیلہ کے طفیل کشمیر اور مضافات کشمیر میں دین اسلام کو دوبارہ استحکام اور رونق نصیب ہوئی انہوں نے ۹۳۲ھ میں وفات پائی ندی بل کے مقام پہ مدفون ہوئے جہاں آپ کا مزار پُر انوار مرجع خلائق ہے۔

عراقی بہت بڑے عالم دین اور شعلہ بیان مقرر تھے لیکن حیرت کی بات یہ ہے کہ انہوں نے کوئی کتاب نہیں لکھی۔ "تحفۃ الاحباب" میں ان کی کسی تصنیف کا ذکر نہیں البتہ ان کے بیٹے میر دانیال کی تصنیف تعریف نامۂ درویشان" کا نام آیا ہے۔ (۲۱) عراقی بہت بڑے انقلابی سوچ رکھنے والے تھے۔ انہوں نے کشمیر میں انقلاب برپا کر دیا اور کشمیر کے دور دراز حصوں میں بھی آوازِ حق پہنچائی اور ارتداد کے فتنے کو ہمیشہ کے لئے ختم کرا دیا۔

اس کتاب کی اہمیت اس لحاظ سے بھی ہے کہ اس میں سلسلہ طریقت نوربخشیہ کے بارے میں بیش قدر مواد موجود ہے نوربخشی تحریک کے بارے میں اس قدر مواد ایران میں لکھی جانے والی کتابوں میں بھی موجود نہیں، مؤسس سلسلہ نوربخشیہ سید محمد نوربخش ان کی اولاد اور خلفاء و مریدین کے بارے میں تفصیلی معلومات موجود ہیں بلکہ کتاب کا باب اول عراقی کی تعلیم و تربیت کے ضمنی بحث پر مشتمل ہے جس میں تحریک کے اثر و نفوذ، نوربخشیوں کی سرگرمیاں، سید محمد نوربخش کے مریدوں کے تفصیلی حالات اور سرگرمیاں اور سید محمد نوربخش کے خطوط تفصیل سے درج ہیں اس طرح ایرانی الاصل صوفی سلسلہ نوربخشیہ پہ لکھنے والوں کیلئے یہ حوالے کی کتاب اور معلوماتی دستاویز ہے۔

سلسلہ نوربخشیہ دوسرے سلاسل صوفیہ کی طرح ایک روحانی سلسلہ ہے۔ مثلاً قادریہ، چشتیہ، سہروردیہ وغیرہ اس کے مؤسس میر سید محمد نوربخش ایران کے مشہور علاقے قہستان کے رہنے والے تھے اس سلسلے کے اکثر بزرگوں کا تعلق ایران کے مختلف شہروں سے ہے یہی وجہ ہے کہ ان کی تعلیمات ایرانی مفکرین اور صوفی خاندانوں کی اثر پذیر ہیں ان بزرگوں میں سے اکثر صاحب تصنیف و تالیف ہیں جن میں شیخ نجم الدین کبری، شیخ علاؤ الدین سمنانی، شیخ عبدالرحمن اسفرائنی، میر سید علی ہمدانی اور میر سید محمد نوربخش تصانیف کثیر کے مالک ہیں۔ یہ کتاب نویں / دسویں ہجری کے دوران ایران، افغانستان، وسط ایشیا اور کشمیر کی معاشرتی مذہبی، اقتصادی اور تہذیبی تاریخ بھی ہے اسلامی دنیا کے بارے میں مفید معلومات دی گئی ہیں۔ کشمیر اور ایران کے علماء فضلاء، شاہان و امراء مشائخ و فقراء اور شعراء و ادباء کے بارے میں بھی بیش قدر معلومات درج کی گئی ہیں۔ مسلمانوں کے علاوہ ہندوؤں کے مذہبی اور سماجی حالات بھی درج ہیں اس طرح اس کی تاریخی ثقافتی اہمیت بہت زیادہ ہے۔

کشمیر میں اشاعت اسلام اگرچہ سید بلبل شاہ ترکستانی، امیر کبیر سید علی ہمدانی اور میر سید محمد ہمدانی کے ہاتھوں ہو چکی تھی لیکن اشاعت اسلام میں مبلغین اسلام اور صوفیائے کرام کے ساتھ ساتھ مسلمان حکمرانوں نے بھی بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ جس کی وجہ سے کشمیر کے باشندوں کی اکثریت مسلمان ہو گئی تھی۔ لیکن جب سلطان زین العابدین کشمیر کا حکمران بنا تو اس نے ہندوؤں وغیرہم کے ساتھ بے حد فراخدلی کا مظاہرہ کیا انہیں کئی مراعات سے نوازا، کشمیر سے چلے جانے والے ہندوؤں کو بلایا۔ سلطان سکندر بت شکن کے زمانے میں منہدم کئے جانے والے مندروں کی از سر نو تعمیر و مرمت کے سلسلے میں گراں قدر امداد دی

ہندو عالموں کو بڑی بڑی ملازمتیں دی گئیں سلطان کی حد سے زیادہ ہندو نوازی (۲۲) سے کشمیری ہندو اس قدر دلیر ہو گئے کہ وہ کھل کر شعائر اسلام کا مذاق اڑاتے اور اسلامی احکامات کی بجاآوری میں روڑے اٹکاتے تھے میر سید محمد ہمدانی کے ہاتھوں مسلمان ہونیوالے ہزاروں نومسلموں کو انہوں نے جبراً ہندو بنا لیا تھا ہندو تہذیب و ثقافت کے احیاء و رواج کے لئے کوششیں ہونے لگی تھیں اور کشمیر میں دین اسلام کا مستقبل مخدوش ہو گیا تھا مؤلف کتاب نے قاضی محمد قدسی کی مثنوی نقل کی ہے جس کے کچھ اشعار نذر قارئین کئے جاتے ہیں۔

کفری کہ قدیم بود نو شد
وز مہر منیر شرع منو شد
شد بار دگر برسم معتاد
آتشکدہ و کنشت بنیاد
گشتند طوائف منافق (۱۱)
با کفر معاون و موافق
ہرجا فطنی و زیرکی بود
در شرک شریک مشرکی بود
ور زانکہ بدر شدی بمسجد
میکرد و لیسر بکا فرے حد (۲۴)

میر شمس الدین عراقی کی کوشش اور وزیر اعظم ملک موسیٰ رینہ کے تعاون نے کشمیر میں اسلام کے مستقبل کو محفوظ بنایا ہندوؤں کی قوت کا خاتمہ کر دیا اور کشمیر میں ہر جگہ مساجد اور خانقاہیں قائم ہوئیں (۲۵)

سطور بالا میں ملا محمد علی کشمیری کی کتاب "تحفۃ الاحباب" کی اہمیت' افادیت اور اس کے تاریخی حیثیت واضح کرنے کی کوشش کی گئی ہے ہماری معلومات کے مطابق یہ اب تک زیور طبع سے آراستہ نہیں ہوئی۔ بدقسمتی سے اس کے قلمی نسخے بھی نایاب ہیں کشمیر یونیورسٹی سری نگر کشمیر میں شعبہ فارسی کے استاد جناب غلام رسول جانی کے مراسلے بنام مقالہ نگار کے مطابق کشمیر میں صرف ایک نسخہ موجود ہے (۲۶) جس کا صرف آخری باب محفوظ ہے پہلے تینوں ابواب سرے سے موجود نہیں ہیں۔ برصغیر اور ایران کے کسی کتاب خانے میں اس کی موجودگی کا ہمیں علم نہیں ہے۔

ضرورت اس امر کی ہے کہ فارسی زبان اور تاریخ کشمیر سے قلبی لگاؤ رکھنے والے ارباب علم و فضل اور صاحب ثروت حضرات اس نادر علمی اور تاریخی دستاویز کو شائع کرنے کا سامان کریں خاص طور پر سلسلہ نوربخشیہ کے پیروکاروں پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ اس کتاب کی اشاعت کا اہتمام کریں کیونکہ بنیادی طور پر یہ کتاب اسی سلسلے کی مستند تاریخ ہے۔ اگرچہ بلتستان میں اس کتاب کے کم از کم تین نسخوں کا راقم کو علم ہے ایک نسخہ جس کے آگے پیچھے اور درمیان سے کئی اوراق ندارد تھے۔ جناب سید حمایت حسین صاحب خپلوی کے پاس تھا موصوف سے یہ نسخہ راقم نے لیا تھا پھر راقم کی غیر موجودگی میں جناب آغا سید زاہد حسین کھرکوی اپنے ساتھ لے گئے تھے انہوں نے واپس نہیں کیا۔ ان کا کہنا ہے کہ وہ نسخہ ان کے بیگ سمیت گم ہو گیا ہے ایک نسخہ مسجد چھتچن کے میر واعظ آغا سید محمد مرحوم کے پاس تھا جو وہ کسی شخص نے اڑا لیا ہے راقم کو آغا صاحب کے ذخیرے سے اس نسخہ کے تین ورق مل گئے ہیں۔ باقی حصہ ہنوز گم ہے۔

اس وقت مرحوم پیر سید عون علی شاہ موصوف کا واحد نسخہ ہمارے پاس موجود ہے مگر یہ بھی گردش دوراں سے تلف ہو گیا تو پھر نوربخشی تاریخ بھی گم ہو کر رہ جائے گی بہتر یہی ہے کہ کم از کم اس نسخے کو مع ترجمہ اردو یا صرف اردو ترجمہ شائع کرنے کا بندوبست ہونا چاہیئے

ہمارے نوربخشیوں کی بدقسمتی یہ ہے کہ ہم میں بزرگوں کے آثار کی حفاظت کرنے کا جذبہ تقریباً سرد ہو چکا ہے قوم کی ضروریات اور وقت کے تقاضوں سے اغماض برتنے کا ملزم ہو رہے ہیں جو ہماری آئندہ نسل کے لئے بہت خوفناک ہے جدید تعلیم یافتہ افراد کے لئے کتب و رسائل کی اشاعت کے ذریعے فکری غذا بہم پہنچانا بہت ضروری ہے جس کے بغیر ہم نہ اپنا تشخص برقرار رکھ سکتے ہیں اور نہ اپنے اسلاف کی پیروی کر سکتے ہیں۔ اس ضمن میں ایک قومی پریس کا قیام وقت کی اہم ترین ضرورت ہے۔

تذکرہ حضرت آدم الاولیاء

امیرالمومنین علی ابن ابی طالب علیہ السلام

مولانا محمد علی صاحب جھوریتی اسلام آباد

نام، نسب اور خاندان

علیؑ نام، ابو الحسنؑ اور ابو ترابؑ کنیت، اور حیدر لقب تھا۔ والد کا نام ابوطالب اور والدہ کا نام فاطمہ بنت اسد تھا۔ سلسلہ نسب یوں ہے علی ابن ابی طالب، ابن عبدالمطلب ابن ہاشم، ابن عبد مناف، ابن قصی، ابن کلاب، ابن مرہ، ابن کعب، ابن لوی،

چونکہ ابوطالب کی شادی اپنی بنت عم سے ہوئی تھی اس لئے علیؑ نجیب الطرفین ہاشمی تھے اور آپ آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حقیقی چچا زاد بھائی تھے حضرت علی مرتضیٰؑ کے والد عمران ابوطالب مکہ کے نہایت ذی اثر اور معزز بزرگ تھے۔ آنحضرتؐ نے انہی کی آغوش شفقت میں پرورش پائی تھی اور بعثت کے بعد انہی کی حمایت کے ساتھ خود دینِ حق کا آغاز فرمایا تھا۔ حضرت ابوطالب ہر وقت آپؐ کے لئے سینہ سپر رہے اور سرورِ کائنات کو کفار مکہ کے ظلم و ستم سے محفوظ رکھا۔

حضرت علی علیہ السلام کی والدہ ماجدہ حضرت فاطمہ بنت اسد نے بھی حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا کے اس معصوم یتیم کی پرورش ماں کی طرح شفقت و محبت سے کی۔ متعدد روایات کے مطابق وہ مسلمان ہوئیں اور ہجرت مدینہ کے بعد ان کا انتقال ہوا تو رسول اللہؐ نے اپنی قمیض بطور کفن پہنائی اور قبر میں لیٹ کر اسے متبرک کیا۔ لوگوں نے اس عنایت کی وجہ دریافت کی تو فرمایا ابوطالب کے بعد میں سب سے زیادہ اسی نیک سیرت خاتون کا ممنونِ احسان ہوں۔

ولادت باسعادت

۱۳ رجب المرجب سنہ ۳۰ عام الفیل مطابق ۶۰۰ء خانہ کعبہ میں

پیدا ہوئے جو آپ کی اہم ترین فضیلت قرار پائی۔

حضرت علی علیہ السلام کا سن مبارک ابھی دس سال کا تھا کہ ایک روز آپ نے آنحضرتؐ اور ام المومنین حضرت خدیجہ کبریٰ رضی اللہ عنہا کو مصروف عبادت دیکھا۔ اس مؤثر نظارے نے اثر کیا اور طفلانہ استعجاب کے ساتھ استفسار فرمایا کہ آپ دونوں کیا کر رہے تھے، آنحضرت سرورِ کائناتؐ نے نبوت کے منصب گرامی کی خبر دی اور کفر و شرک کی مذمت کر کے توحید کی دعوت دی۔ توفیق الٰہی شامل تھی اس لئے غور و فکر کی ضرورت پیش نہ آئی اور اعلانِ اسلام فرما دیا۔

منجھلا بھائی

حضرت علیؑ کی عمر اندازاً پندرہ سال کی تھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کوہ صفا پر چڑھ کر اپنے خاندان کے سامنے دعوت اسلام کی صدا بلند کی تقریباً چالیس افراد موجود تھے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ عباس رضی اللہ عنہ ابولہب اور ابوطالب بھی شرکا میں تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اٹھ کر فرمایا یا بنی عبدالمطلب! خدا کی قسم میں تمہارے سامنے دنیا و آخرت کی بہترین نعمت پیش کرتا ہوں بولو تم میں سے کون اس شرط پر میرا ساتھ دیتا ہے کہ وہ میرا معاون و مددگار ہوگا اس کے جواب میں سب چپ رہے صرف شیرِ خدا علی مرتضیٰ کی آواز بلند ہوئی کہ گو میں عمر میں سب سے چھوٹا ہوں اور مجھے آشوب چشم کا عارضہ ہے اور میری ٹانگیں پتلی ہیں تاہم میں آپ کا دست و بازو بنوں گا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اچھا تم بیٹھ جاؤ اور پھر لوگوں سے خطاب فرمایا لیکن کسی نے جواب نہیں دیا حضرت علیؑ پھر اٹھے

آنحضرت نے اس دفعہ بھی ان کو بٹھا دیا یہاں تک کہ جب تیسری دفعہ بھی اس بارِ گراں کا اٹھانا کسی نے قبول نہ کیا تو اس مرتبہ بھی حضرت علی علیہ السلام نے جانبازی کے لہجہ میں ان ہی الفاظ کا اعادہ کیا تو ارشاد ہوا کہ بیٹھ جاؤ تو میرا بھائی اور میرا وارث ہے۔

جانثار اور فداکار بھائی

دعوت اسلام کی کامیابی دیکھ کر کفار مکہ بہت تلملائے ایک روز سب ایکا کر کے کاشانہ نبوی ﷺ کی طرف چلے کہ مکہ چھوڑنے سے پہلے ذات اقدس کو دنیا سے رخصت کر دیں وحی الٰہی نے آنحضرت ﷺ کو مشرکین کے ارادوں کی اطلاع دے دی اور ہجرت مدینہ کا حکم ہوا سرور کائنات نے اس خیال سے کہ مشرکین کو شبہ نہ ہو حضرت علی مرتضیٰ کو اپنے فرش اطہر پہ استراحت کا حکم دیا اور خود حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو ساتھ لے کر مدینہ منورہ روانہ ہو گئے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی عمر اس وقت زیادہ سے زیادہ بائیس تئیس برس کی تھی اس عنفوانِ شباب میں اپنی زندگی کو قربانی کے لئے پیش کرنا، جانثاری کا عدیم المثال کارنامہ ہے رات بھر مشرکین کا محاصرہ قائم رہا اور اس خطرہ کی حالت میں یہ نوجوان نہایت سکون واطمینان کے ساتھ محو خواب رہا غرض تمام رات مشرکین قریش اس دھوکے میں رہے کہ خود حضرت سرور کائنات استراحت فرما ہیں اور صبح ہوتے ہی اپنے ناپاک ارادہ کی تکمیل کے لئے اندر آئے لیکن یہاں یہ دیکھ کر متحیر رہ گئے کہ شہنشاہ دو عالم ﷺ کے بجائے آپ کا جانثار بھائی قربان ہونے کے لئے سربکف ہو رہا ہے مشرکین اپنی اس غفلت پر سخت برہم ہوئے اور حضرت علیؑ کو چھوڑ کر اصل مقصد کی تلاش وجستجو میں روانہ ہو گئے۔ حضرت علی علیہ السلام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تشریف لے جانے کے بعد دو تین دن مکہ میں مقیم رہے اور آنحضرت کی ہدایت کے مطابق جن لوگوں سے آپ ﷺ کا کاروبار اور لین دین تھا ان کے معاملات سے فراغت حاصل کی اور تیسرے یا چوتھے دن کو خیرباد کہہ کر عازم مدینہ ہو لئے۔ رسول اکرم ﷺ نے جب مہاجرین میں باہمی بھائی چارہ کرایا تو حضرت علی کو اپنا بھائی بنایا۔ ہجرت کے چھٹے یا ساتویں مہینے سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک مسجد تعمیر کرنے کا خیال پیدا ہوا آپ ﷺ نے اس کی بنیاد رکھی اور اپنے رفقاء کے ساتھ خود اس کی تعمیر میں حصہ لیا تمام صحابہ جوش کے ساتھ شریک کار تھے حضرت علی کرم اللہ وجہہ اینٹ اور گارا لا لا کر دیتے تھے اور یہ رجز پڑھتے تھے۔

لایستوی من یعمر المساجد جو مسجد کرتا ہے کھڑے ہو کر اور بیٹھ کر اس مشقت کو برداشت یدأب فیہ قائما وقاعدا کرتا ہے اور جو گرد و غبار کے باعث اس کام سے جی ومن یری عن الغبار حائدا چراتا ہے وہ دونوں برابر نہیں ہو سکتے۔

غزوۂ بدر میں شیر خدا کا حصہ

سلسلہ غزوات میں سب سے پہلے معرکہ غزوۂ بدر ہے اس غزوہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے تین سو تیرہ جانثاروں کے ساتھ مدینہ منورہ سے روانہ ہوئے آگے آگے دو سیاہ رنگ کے علم تھے جن میں سے ایک حیدر کرار علیہ السلام کے ہاتھ میں تھا جب رزمگاہ بدر کے قریب پہنچے تو سرور کائنات نے حضرت علی علیہ السلام کو چند منتخب جانبازوں کے ساتھ غنیم کی نقل وحرکت کا پتہ چلانے کے لئے بھیجا انہوں نے نہایت خوبی کے ساتھ یہ خدمت سرانجام دی اور مجاہدین نے مشرکین سے پہلے پہنچ کر اہم مقامات پر قبضہ کر لیا سترہویں رمضان ۲ ہجری جمعہ کے دن جنگ کی ابتدا ہوئی قاعدہ کے موافق پہلے تنہا تنہا مقابلہ ہوا سب سے پہلے قریش کی صف سے تین آدمی نامی بہادر نکل کر مسلمانوں سے مبارزت طلب ہوئے تین انصاریوں نے ان کی دعوت کو لبیک کہا اور آگے بڑھے قریش کے بہادروں نے ان کا نام ونسب پوچھا جب معلوم ہوا کہ وہ یثرب کے جوان ہیں تو ان کے ساتھ لڑنے سے انکار کر دیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پکار کر کہا کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے مقابلہ میں ہمارے ہمسر آدمی بھیجو۔ اس وقت آنحضرت نے اپنے خاندان کے تین عزیزوں کے نام لئے حمزہؓ علیؓ اور عبیدہؓ تینوں اپنے اپنے حریفوں کے لئے میدان میں آئے حضرت علی علیہ السلام نے اپنے حریف ولید کو ایک ہی وار میں تہ تیغ کر دیا اس کے بعد جھپٹ کر عبیدہؓ کی مدد کی ان کے حریف عتبہ بن ربیعہ کو بھی قتل کیا حضرت حمزہؓ نے شیبہ کو قتل کیا مشرکین نے طیش میں آ کر عام حملہ کر دیا یہ دیکھ کر مجاہدین بھی نعرہ تکبیر کے ساتھ کفار کے لشکر میں گھس گئے اور عام

جنگ شروع ہوئی شیر خدا نے صفیں الٹ دیں اور ذوالفقار حیدری نے چمک چمک کر اعدائے اسلام کے خرمن ہستی کو جلا دیا۔ مشرکین کے پاؤں اکھڑ گئے اور مسلمان مظفر و منصور مالِ غنیمت اور تقریباً ستر قیدیوں کے ساتھ مدینہ واپس ہوئے مال غنیمت میں سے آپ کو ایک زرہ ایک اونٹ ایک تلوار ملی۔ حضرت سیدہ فاطمہ زہراؑ کو اپنے گھر سے جو جہیز ملا تھا اس کی کل کائنات یہ تھی ایک پلنگ ایک بستر ایک چادر دو چکیاں اور ایک مشکیزہ عجیب اتفاق ہے کہ یہی چیزیں حضرت فاطمہؑ کی زندگی تک ان کی رفیق رہیں اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ اس میں کوئی اضافہ نہ کر سکے۔

احد میں حیدر کرار کے کارنامے!

۳ ھ میں احد کا معرکہ پیش آیا۔ شوال ہفتہ کے دن لڑائی شروع ہوئی اور پہلے مسلمانوں نے قلت تعداد کے باوجود غنیم کو بھگا دیا لیکن عقب کے محافظ تیر انداز اپنی جگہ سے ہٹا تھا کہ مشرکین پیچھے سے یکایک ٹوٹ پڑے اس ناگہانی حملے سے مسلمانوں کے اوسان جاتے رہے اسی حالت میں سرور کائنات ﷺ کو چشم زخم پہنچی دندان مبارک شہید ہوگئے اور آپ ایک خندق میں گر پڑے مشرکین ادھر بڑھے لیکن حضرت مصعبؓ بن عمیر نے ان کو آپ کے پاس جانے سے روکا اور اسی میں لڑتے لڑتے شہید ہوئے اس کے بعد حیدر کرار نے بڑھ کر علم سنبھالا اور بے جگری کے ساتھ دادِ شجاعت دی مشرکین کے علمبردار ابو سعد بن ابی طلحہ کے مقابلہ کے لئے للکارا شیر خدا نے بڑھ کر ایسا ہاتھ مارا کہ فرش خاک پر تڑپنے لگا اور بدحواس کے عالم میں برہنہ ہوگیا حضرت علی کو اس کی بے بسی اور بدحواسی پر رحم آگیا اور زندہ چھوڑ کر واپس آئے۔ اسی اثنا غیبی لافتیٰ الا علی لاسیف الا ذوالفقار کا خطاب ملا۔

غزوہ خندق اور شیر خدا

۵ ہجری میں غزوہ خندق پیش آیا اس میں کفار کبھی کبھی خندق میں گھس گھس کر حملہ کرتے تھے ایک دفعہ سواروں نے حملہ کیا حضرت علیؑ نے چند جانبازوں کے ساتھ بڑھ کر روکا سواروں کے سردار عمرو بن عبدود نے کسی کو تنہا مقابلہ کی دعوت دی حضرت علیؑ نے اپنے کو پیش کیا اس نے کہا میں تم کو قتل کرنا نہیں چاہتا شیر خدا نے فرمایا لیکن میں تم کو قتل کرنا چاہتا ہوں وہ برہم ہو کر گھوڑے سے کود پڑا اور مقابلہ میں آیا۔

(باقی آئندہ)

بقیہ :- قارئین کی آراء

۱۰- اس سے قبل ایک خط اور دو مضامین حوالۂ ڈاک کئے تھے شاید مل گئے ہوں گے۔ رسالہ کی تصحیح اور جلد بندی میں خامیاں ہیں آئندہ خیال رکھیے، میں آپ سب کو اور بالخصوص شرکاء علی احباب کو ہدیہ تبریک پیش کرتا ہوں۔

شکور علی انور حال گلگت

۱۱- نوائے صوفیہ کے لئے ایک مضمون ارسال خدمت ہے رسالے کے بارے میں اپنی رائے پہلے ہی بھیج چکا ہوں مکرر عرض ہے کہ۔

۱- تمام پرچوں کا سائز یکساں رکھیں۔

۲- فقہی مسائل کو ذرا کم جگہ دیں اور دوسرے مسائل خاص طور پر بلتستان کی معاشرت، تاریخ اور تہذیب سے متعلق مضامین کو بھی شامل اشاعت کریں۔

۳- مخالفین کی پرواہ نہ کریں۔

۴- مختلف اداروں مثلاً اسلامی نظریاتی کونسل، تحقیقات اسلامی، تحقیقات فارسی وغیرہ کو بھی ایک ایک شمارہ ارسال کریں۔

غلام حسن حسنو بلتستان

تصوّف ـــ منزل بہ منزل

ـــــ لیاقت علی خان اسلام آباد

تصوف کی تاریخ اتنی پرانی ہے جتنی مذہب کی۔ اسلام سے پہلے بھی مختلف مذاہب میں تصوف کا طریقہ رائج تھا۔ جہاں تک اسلامی تصوف کا تعلق ہے یہ شریعتِ محمدیؐ کی عملی صورت کا نام ہے۔ خود حضور پاکؐ نے فرمایا ہے کہ شریعت میرے اقوال کا نام ہے، اور طریقت میرے افعال کا۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ تصوف کے جتنے بھی سلسلے ہیں وہ باب علم حضرت علی علیہ السلام کی ذات بابرکت تک جا پہنچتے ہیں جن کے مقام علمی کے بارے میں رسول پاکؐ نے فرمایا تھا۔ انا مدینۃ العلم وعلیٌ بابھا یعنی میں علم کا شہر ہوں اور علی علیہ السلام اس کا دروازہ ہے رسول پاکؐ ہی کے زمانے میں ایک حلقۂ اہلِ ذکر کا بھی تھا۔ یہ لوگ فکرِ معاش سے آزاد رہتے تھے۔

مسجد نبویؐ میں ایک چبوترا بنا ہوا تھا جہاں یہ اصحاب ہمیشہ ذکر و فکر میں مشغول رہتے تھے اور اصحاب صفہ کہلاتے تھے حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرامؓ کو ہدایت فرمائی تھی کہ جب تم جنت کی کیاریوں کے پاس سے گزرو تو توقف کیا کرو۔ صحابہؓ نے استفسار کیا کہ یا رسول اللہ جنت کی کیاریوں سے کیا مراد ہے؟ آپ نے فرمایا وہ حلقۂ ذکر ہے۔ یہ تو وہ لوگ تھے جنہوں نے براہِ راست رسول کریمؐ کی مبارک صحبت سے فیض پایا تھا۔ لیکن ہمارے سامنے ایک ایسے ولیٔ کامل کی مثال بھی موجود ہے جس نے حضور پاکؐ کو دیکھا بھی نہیں تھا مگر عشقِ رسولؐ کا یہ عالم تھا کہ محبوب کا ایک دندان مبارک شہید ہونے کی خبر سن کر اپنے تمام دانت توڑ دیئے تھے۔ یہ وہی عاشقِ رسولؐ تھا جس کے متعلق رسولؐ فرماتے تھے کہ مجھے قرن سے خدا کی خوشبو آتی ہے اس ولیٔ کامل کا نام اویس قرنیؓ تھا۔ یہی اصحاب صفہ اور یہی حضرت علیؑ اویسؓ اور ابوذرؓ کے راستے پر چلنے والے تھے جنہوں نے معرکۂ کربلا میں دین اسلام کی بقاء کے لئے باطل سے ٹکر لی۔ حسین ابن علیؑ نے تمام رات عبادت و ریاضت میں بسر کرنے کے بعد اگلے روز میدان کربلا میں بحالت سجدہ جام شہادت نوش کیا۔ حسینؑ صوفیا کے امام تھے اور آپؑ کی شہادت کے بعد امام علی زین العابدینؑ کو یہ منصب ملا۔ زین العابدین کے معنی ہیں عبادت گذاروں کی زینت۔ غرض اسی طرح علم اور معرفت کا نور سینہ بہ سینہ منتقل ہوتا آیا۔ تصوف کے تمام سلسلوں کے بزرگوں نے انہی پاک ہستیوں سے اکتساب فیض کیا ہے۔ چنانچہ تصوف کا عظیم سلسلہ، سلسلۃ الذہب بھی شیخ معروف کرخیؒ سے امام علی رضاؑ اور پھر منزل بہ منزل آدم الاولیاء علی علیہ اسلام کی ذات گرامی تک جا پہنچتا ہے۔ سلسلۃ الذہب کے عظیم صوفی بزرگ شاہ ہمدان سید امیر کبیر سید علی ہمدانی نے جن کے بارے میں شاعرِ مشرق فرماتے ہیں۔

سید ساداتِ سالارِ عجم
دست او معمارِ تقدیرِ امم

کشمیر اور بلتستان میں دینِ اسلام کی تبلیغ فرمائی۔ اور انہی کے خلیفہ جناب شاہ سید محمد نور بخشؒ کے پیروکاران آج بھی بلتستان اور ایران میں ہزاروں کی تعداد میں موجود ہے جن کا مسلک نور بخشیہ کے نام سے موسوم ہے۔

مقصد اس سارے بیان کا یہ کہنا تھا کہ صوفیا کا مذہب کوئی نئی چیز یا بعد کی ایجاد نہیں ہے۔ بلکہ یہی دینِ اسلام کی حقیقی صورت ہے صوفیوں کا اصل کام محض خدا اور رسولؐ کی اطاعت ہے۔ یہ کوئی ترکِ دنیا یا رہبانیت نہیں بلکہ حقیقی معنوں میں شریعت محمدیہؐ پر کاربند ہونا ہی صوفیوں کا حقیقی مشن ہے۔

گداگری — کی شرعی حیثیت

مولانا شکور علی انور گلگت

گداگری جیسے اہم معاشرتی مسئلے پر مولانا صاحب کا یہ مضمون فکر انگیز ہے نوائے صوفیہ توقع رکھتا ہے کہ دیگر اہل علم حضرت بھی اظہار خیال فرمائیں گے۔ (ادارہ)

ایسا سائل جو تندرست و توانا اور خود کما کر کھانے کے قابل ہو شرعی حیثیت سے کسی طرح بھی سوال کرنے کا مستحق نہیں ہے جبکہ معاشرے میں جو پیشہ ور گداگر سوال کرنے میں اصرار اور الحاف سے کام لیتے ہیں اور اپنی مجبوریاں دور کرنے کے بعد بھی اس عادت سے باز نہیں آتے ان کا معاملہ نہایت شرمناک ہے۔

بعض بھکاری تو اجرتی ہوتے ہیں جو اپنے مالک کو یومیہ ادائیگی کے ذمہ دار ہوتے ہیں۔ شہروں میں پیشہ ور گداگر اکثر اپنے صحت مند اور تندرست بچوں کو جان بوجھ کر معذور بنا دیتے ہیں اور انہیں مانگنے پر مجبور کیا جاتا ہے ایسی معاشرتی برائی کو جاری رکھنے میں اعانت کرنا اسلام کی رو سے جائز نہیں ہے۔

یوں تو اسلام غرباء اور مساکین کو ان کا حق دینے کا حامی ہے اور جود و عطا کا مظاہرہ کرنے والے کو پسندیدگی کی نظر سے دیکھتا ہے چنانچہ حدیث شریف میں وارد ہوا ہے۔

بد العلیا خیر من ید السفلی

ترجمہ:۔ اوپر کا ہاتھ نیچے کے ہاتھ سے بہتر ہے۔ کلام مجید میں بھی سائل کو محروم نہ کرنے کے بارے میں امر حکیم موجود ہے۔

واضح رہے کہ

قرآن کریم نے حقیق حقدار کی پہچان بھی بیان فرمائی ہے۔

تَعْرِفُهُمْ بِسِيمَاهُمْ لَا يَسْأَلُونَ النَّاسَ إِلْحَافًا ۚ

یعنی تم ان کو ان کی صورت سے ہی پہچان سکتے ہو وہ لوگوں سے لپٹ کر سوال نہیں کرتے۔

یعنی انہیں اپنی خودی اور عزت نفس کا اتنا پاس ہوتا ہے کہ کسی بندے کے آگے دست سوال دراز کرنا کار محال ہوتا ہے۔ خود حضور اکرمؐ نہایت فیاض، سخی اور کرم نواز تھے، آپ اپنی مال غنیمہ تک غرباء اور مساکین میں تقسیم فرماتے تھے، اور محتاج کی مدد کر کے مسرت کا احساس فرماتے تھے۔ آپ یتیموں کے والی اور غریبوں کے ملجا و ماوی تھے اور ناداروں کے لئے سراپا جود و عطا تھے لیکن صحت مند شخص کی گداگری کی عادت سے ناگواری کا اظہار فرماتے تھے اور انہیں مانگنے سے منع فرماتے تھے۔

ادیان سابقہ میں بھی صدقہ دینے کو اچھا عمل قرار دیا گیا ہے مگر صدقات کا جو نظام اسلام نے قائم کیا ہے وہ مثالی ہے۔ اسلام نے بعض صدقات کو واجبی قرار دے کر انہیں زکوٰۃ اور فطرہ کے ناموں سے موسوم کیا ہے۔

نیز مسنون صدقات کی ادائیگی پر بھی بہت زور دیا گیا ہے چنانچہ سورہ الماعون میں ارشاد ہوتا ہے۔

أَرَأَيْتَ الَّذِي يُكَذِّبُ بِالدِّينِ ۝ فَذَٰلِكَ الَّذِي يَدُعُّ الْيَتِيمَ ۝ وَلَا يَحُضُّ عَلَىٰ طَعَامِ الْمِسْكِينِ ۝

ترجمہ، کیا تو نے اس شخص کو دیکھا جو روز جزا کو جھٹلاتا ہے بس وہی شخص ہے جو یتیم کو دھکے دیتا ہے اور مسکین کو کھانا کھلانے پر توجہ نہیں دیتا۔

حضور پاکؐ کو حکم ہوتا ہے۔ فَأَمَّا الْيَتِيمَ فَلَا تَقْهَرْ ۝ وَأَمَّا السَّائِلَ فَلَا تَنْهَرْ ۝ ایک اور جگہ ارشاد ہوتا ہے۔ خُذْ مِنْ أَغْنِيَائِهِمْ فَتُرَدُّ إِلَىٰ فُقَرَائِهِمْ۔ یعنی ان کے امیروں سے لے کر غریبوں کو واپس کر دو۔

ان کے علاوہ بھی قرآن مجید میں جا بجا فقرا اور مساکین کی مدد کرنے پر زور دیا گیا ہے اور اس کا بنیادی فلسفہ یہی ہے کہ کسی بھی شعبۂ زندگی سے تعلق رکھنے والا کوئی فرد بھوکا پیاسا نہ رہے اور غرباء اور مساکین محرومی کا شکار نہ ہوں۔ ارتکاز زر کی حوصلہ شکنی ہو

تاکہ مال و دولت اغنیاء اور اہلِ ثروت کے ہاں جمع رہ کر گل سڑ جانے کی بجائے حق داروں کے کام آئے۔

زکوٰۃ اور عشر کا نظام اسلام کی فقید المثال اقتصادی حکمت عملی پر مبنی ہے جو ادیان سابقہ کے نظریات صدقہ سے کہیں بہتر اور منظم و مضبوط ہے۔ اسلام ہر شعبہ زندگی کے افراد کو ان کے حقوق دینے کا نہ صرف حامی ہے بلکہ وجوبی احکامات بھی نافذ کرتا ہے مگر بیکاری اور سہل انگاری کو پسندیدگی کی نظر سے نہیں دیکھتا۔

دراصل ہر سوال قابلِ گرفت نہیں۔ ضرورت کی چھوٹی موٹی چیزیں ہمسایوں اور خویش و اقارب سے مانگنے میں کوئی حرج نہیں، چنانچہ کلام پاک میں عام استعمال کی چیزیں نہ دینے والوں کی مذمت کی گئی ہے اور سورہ الماعون میں و یمنعون الماعون کے ذیل میں یہی حکم بیان ہوا ہے۔ ماعون سے مراد روزمرہ استعمال کی گھریلو اشیا، مثلاً کاسہ، دیگچہ، ڈول، بیلچہ وغیرہ ہے اسی طرح آگ، پانی، نمک وغیرہ بھی اسی ضمن میں آتے ہیں۔

جیسا کہ عرض کر چکا ہوں پیشہ ور گداگروں کی اسلام نے مذمت کی ہے چنانچہ تقریباً ڈیڑھ سو احادیث مبارکہ اس کی مذمت میں مروی ہیں۔ عبدالرحمان بن عوفؓ سے روایت ہے کہ آپؐ نے فرمایا وَلَا تَسْأَلُوا النَّاسَ بِشَیْئٍ۔ لوگوں سے کچھ نہ مانگو۔ چنانچہ ابن عوف فرماتے ہیں کہ اس حکم کے بعد سے اگر لوگوں سے سواری کی حالت میں ہاتھ سے کوڑا بھی گرتا تھا تو کسی راہ چلنے والے سے مانگتے نہ تھے مبادا وہ سوال کے زمرے میں شامل نہ ہو۔

جو شخص ایک وقت کی خوراک ہونے کے باوجود سوال کرے اس کے بارے میں فرماتے تھے کہ وہ اپنے لئے کثرت سے دوزخ کی آگ طلب کرتا ہے۔ آپؐ نے فرمایا اَلْکَاسِبُ حَبِیْبُ اللّٰہ یعنی اپنے ہاتھ سے (حلال کی) کمائی کرنے والا اللہ کا دوست ہوتا ہے۔

خود سیرتِ طیبہ سے بھی کسبِ حلال کی اہمیت واضح ہوتی ہے آپؐ کے کفیل حضرت ابوطالب تھے مگر آپؐ نے ان پر بوجھ بننے کی بجائے قریش کی بکریاں چرا کر گذر اوقات کرنے کو پسند فرمایا عائذ بن عمر سے روایت ہے کہ آپؐ نے فرمایا اگر تم لوگ جان لو کہ سوال کرنے کے کیا نتائج ہیں تو کوئی شخص بغرض سوال دوسرے شخص کا رخ نہ کرے۔

اسی طرح آپؐ کے پاس ایک سائل سوال کی غرض سے حاضر ہوا تو آپؐ نے استفسار کیا کہ کیا تمہارے پاس کچھ بھی ہے؟ سائل نے جواب دیا کہ میرے پاس ایک کمبل ہے جسے اوڑھتا ہوں اور ایک پیالہ ہے جس سے پانی پیتا ہوں۔ آپؐ نے حکم دیا کہ ان دونوں چیزوں کو بیچ دو اور ایک رسی اور ایک کلہاڑا خرید واور جنگل سے لکڑیاں کاٹ کر انہیں بیچو، تاکہ قیامت کے دن میرے پاس پہنچو تو تمہارے چہرے پر بھیک مانگنے کا داغ نہ ہو۔

حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں کہ اے ابن آدم، تیرا چہرہ آب منجمد ہے اور سوال اس کو ٹپکاتا ہے پس دیکھ کر تو اس کو کس کس کے پاس ٹپکاتا ہے۔

حضرت امام جعفر صادق کا ارشاد ہے کہ خدا رحمت کرے اس بندے پر جو پارسا ہو اور لوگوں سے سوال نہ کرتا ہو۔

الغرض سوال کرنے کی بڑی قباحتیں ہیں۔ مانگنے والا لوگوں کی نظر میں اور خود اپنی نظر میں بھی ذلیل اور رسوا ہو جاتا ہے۔ بعض لوگ عادتاً مانگتے ہیں چندے اکٹھے کرتے ہیں اور انہیں ناجائز طور پہ کھا جاتے ہیں۔ یہ سراسر حرام خوری ہے۔ عوام کو چاہئے کہ ایسے لوگوں سے احتراز کریں اور ان سے خندہ پیشانی سے پیش آنے کی بجائے سختی سے تدارک کریں۔ آنکھیں بند کر کے ہر مانگنے والے کو دینا بجائے اجر و ثواب کے بعض اوقات باعث گناہ ہوتا ہے ہمارے معاشرے میں بہت سے ایسے چرب زبان معروف کار ہیں جو دین دار نہیں بلکہ اپنی غرض کے دیوانے ہیں اور اکثر کسی معظم و مکرم بزرگ سے پرواز لے کر پھرتے ہیں اور ان بزرگوں کی عزت کا خیال بھی نہیں رکھتے اس طرح دین کی ترقی بھی رک جاتی ہے۔

وما علینا الا البلاغ

صفحۂ سائلین

ابوالعرفان محمد بشیر

نوائے صوفیہ کی سابقہ چاروں قسطوں میں "فقہی مسائل" کے عنوان کے تحت قارئین کے سوالات کے جوابات دیئے جاتے رہے ہیں۔ اس قسط نمبر۵ سے آئندہ "صفحۂ سائلین" کے عنوان سے سوال و جواب کا یہ سلسلہ ان شاء اللہ چلتا رہے گا۔ اس قسط میں بھی ہم ایک اور اہم سوال کا جواب نذر قارئین کر رہے ہیں۔

س:۔ قرأت نماز میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ؕ کا پڑھنا یا نہ پڑھنا کیسا ہے شریعت محمدیہ کی رُو سے جواب درکار ہے۔

سائل عبدالرحمان صاحب چھور بٹ چھوار
حال مقیم اسلام آباد

ج:۔ محترم عبدالرحمان صاحب! آپ نے نماز کی قرأت میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے پڑھنے یا نہ پڑھنے کے بارے میں پوچھا ہے لہٰذا اس کا جواب بھی نماز کی قرأت کی صورت تک محدود رکھا جاتا ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ اہل اسلام میں بعض لوگ قرأتِ نماز میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ؕ کو سرے سے پڑھتے ہی نہیں۔ بعض حضرات صرف "سرًا" پڑھتے ہیں۔

بعض حضرات قرأت نماز میں اس کو "جہرًا" ہی پڑھتے ہیں خواہ نماز سری ہو خواہ جہری، بعض حلقے سری نماز میں اس کو "سرًا" پڑھتے ہیں اور جہری نماز میں "جہرًا" پڑھتے ہیں یہ اختلاف آراء درحقیقت ایک اور اختلاف آراء پر مبنی ہے مختلف آراء یہ ہیں۔

۱۔ "بسم اللہ الرحمٰن الرحیم" سوائے سورۂ نمل کے کسی بھی سورت کا حصہ نہیں۔ نہ ہی سورۂ فاتحہ کا حصہ ہے یہ صرف سورتوں کے درمیان فصل کے لئے ہے۔

۲۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم: فقہی الامر میں صرف سورۂ نمل کا حصہ ہے قاری کی تعین قرأت کے وقت وہ کسی بھی سورت کا حصہ قرار پاتا ہے سوائے سورۂ توبہ کے۔

۳۔ "بسم اللہ الرحمٰن الرحیم" جس طرح سے سورۂ نمل کا حصہ ہے، اسی طرح سے یہ سورۂ فاتحہ کا بھی حصہ ہے اور سوائے سورۂ توبہ کے ہر ہر سورت کا بھی حصہ ہے اسی بنیادی اختلاف آراء کی بناء پر قرأتِ نماز میں بھی اس کے پڑھنے یا نہ پڑھنے کا تفاوت چلنے آیا ہے۔

ہمارے ہاں رائے نمبر۳ سب سے زیادہ قابلِ ترجیح صورت ہے مجموعۂ شریعت محمدیہ سے اس کی تصدیق ہو جاتی ہے چنانچہ مجموعۂ شریعت محمدیہ الفقہ الاحوط میں مذکور ہے۔

وَمَنْ لَمْ يَعُدِ الْبَسْمَلَةَ مِنَ الْفَاتِحَةِ وَمِنْ كُلِّ سُوْرَةٍ اِلَّا الْبَرَاءَةَ وَلَوْ كَانَ يَقْرَءُهَا كَانَتْ صَلٰوتُهٗ نَاقِصَةً وَلَا تَتَمَثَّلُ ثَمَرَةً كَامِلَةً اُخْرَوِيَّةً ۝

جو کوئی "بسم اللہ الرحمٰن الرحیم" کے پڑھنے کو سورۂ فاتحہ کا بھی حصہ نہ سمجھتا ہو اور سورہ برأت کے سوا دیگر ہر ایک سورۃ کا بھی حصہ نہ سمجھتا ہو تو اس اعتقاد کے ساتھ (اگرچہ وہ اس کو پڑھتا ہو تو اس کی نماز ادھوری رہ جائے گی اور آخرت میں کام آنیوالے کامل پھل نہیں ملے گی۔

نتیجہ:۔

مجموعۂ شریعت محمدیہ کی وضاحت سے یہ بات روز روشن کی طرح آشکار ہو گئی کہ بسملہ کی حیثیت سورہ جیسی ہے لہٰذا سری نمازوں میں اس کو بھی سرًا پڑھنا ضروری ہے اور جہری نمازوں میں اس کو بھی جہرًا پڑھ لینا ضروری ہے۔ بعض اہل اسلام بسملہ کو سورت سے الگ کوئی حیثیت دیتے ہیں چنانچہ وہ لوگ سری نمازوں میں بھی سرًا قرأت کے ساتھ بسملہ کو جہرًا پڑھتے ہیں۔

دین کی باتیں

(بچوں کے لئے)

مردِ کہستانی

ذرا اب پیارے بچّو مل کے باہم
کریں باتیں کچھ اپنے دین کی ہم
کہو، مفہوم کیا اسلام کا ہے؟
جسے ایمان کہتے ہیں، وہ کیا ہے؟
کیا ہے کس نے انسانوں کو پیدا؟
ہے کس کے پاس واپس ہم کو جانا؟
ہے مقصد کیا ہماری زندگی کا؟
ہے کیا انجام ہر اک آدمی کا؟
سنو، پیدا کیا ہم کو خدا نے
خلیفہ اپنا دُنیا میں بنانے
ہے آدمؑ باپ، بچّو، ہر بشر کا
ہر اک انسان کی مادر ہے حوّا
عبادت رب کی کرنا، اس سے ڈرنا
سبب انسان کی تخلیق کا تھا
بھلائی کی طرف سب کو بلانے
خدا نے انبیاء دُنیا میں بھیجے
نبی ایسے بھی تھے کچھ برگزیدہ
جنہیں حق نے کتابیں دے کے بھیجا
زبور، انجیل، توریت اور قرآں
انہیں لازم ہے ماننے ہر مسلماں
نظامِ ہر دو عالم کو چلانے
فرشتے بھی بنائے ہیں خدا نے
وہ کرتے ہیں عبادت اپنے رب کی
بڑی تسلیم ہے گھٹّی میں سب کی
مگر انسان کو رب نے عقل بخشی
تمیزِ نیک و بد اس کو سُجھائی
جو کام انسان دُنیا میں کرے گا
نتیجہ اس کا آخر میں ملے گا
ہے اچھوں کے لئے جنت کا وعدہ
بُروں کا تو جہنم ہے ٹھکانا

ہمیشہ کے لئے وہ اپنا گھر ہے
جہاں کی زندگی تو مختصر ہے
ہیں کچھ کامیابی کے طریقے
خدائے لم یزل نے ہیں بتائے
ہے پہلی بات تو ایمان لانا
پھر اس کے بعد اچھے کام کرنا
نماز اللہ نے ہم پر فرض کی ہے
زکوٰۃ و روزہ کی تعلیم دی ہے
جہادِ فی سبیل اللہ لازم
تو کچھ پر حج بیت اللہ لازم
قریب انسان ہوتا ہے خدا سے
کرے نیکی جو مخلوقِ خدا سے
خصوصاً ہم پہ حق ماں باپ کا ہے
غریبوں کی مدد لازم سدا ہے
بہت کچھ ہم پہ ہمسایوں کا حق ہے
یتیموں اور مسکینوں کا حق ہے
خصوصاً ہم کہ جو خیر الامم ہیں
رسول اللہؐ کی اُمت میں ہم ہیں
زیادہ ہم پہ یہاں محنت ہے لازم
زیادہ خلق کی خدمت ہے لازم
چلیں پیارے نبیؐ کے نقشِ پا پر
چلیں مولا علیؑ کے نقشِ پا پر
ہمارے پیشوا ہیں شاہِ ہمدانؒ
ہمارے رہنما شاہِ قہستانؒ
انہوں نے دولتِ دیں ہم کو بخشی
انہوں نے دل کی تسکیں ہم کو بخشی
دُعا آخر میں کرتے ہیں خدا سے
بچائے ہم کو ہر شر اور بلا سے
ہمارا دہر میں ہر کام ہو نیک
ہمارا آخری انجام ہو نیک

نوائے صوفیہ کے بارے میں قارئین کی آراء

١- یہ جان کر خوشی ہوئی کہ آپ تمام بھائیوں کی پُرخلوص جدوجہد کے نتیجے میں نوائے صوفیہ کا دوبارہ اجراء ہوا ہے۔ ہماری تنظیم کے جملہ اراکین آپ کی اس پُرخلوص مذہبی خدمت کا اعتراف کرتے ہیں اور ابوالعرفان علامہ محمد بشیر صاحب اور اراکین انجمن محمدیہ کو مبارک باد پیش کرتے ہیں دعا ہے کہ نوائے صوفیہ دن دگنی اور رات چوگنی ترقی کرے اس سلسلے میں اگر ہماری خدمات درکار ہوں تو بصد خلوص پیش کرتے ہیں۔

روزی علی جنرل سیکرٹری
تنظیم فدایانِ آلِ رسول ؐ
صوفیہ نوربخشیہ کورلیس بلتستان

٢- نوائے صوفیہ کی چوتھی قسط دیکھ کر آنکھوں میں خوشی کے آنسو آگئے آپ لوگوں نے ابوالعرفان علامہ محمد بشیر صاحب کی نگرانی میں پھر سے جریدہ بحال فرما کر قوم کے کھوئے ہوئے وقار کو بحال کرنے کی جو سعی کی ہے وہ نہایت قابلِ تعریف ہے۔ میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ شمع تصوف کے ان پروانوں سے وہ کام لے جو امیر کبیر سید علی ہمدانی ؒ کے ہاتھوں ہوا تھا۔

سجاد حسین بلغاری
طالب علم ڈگری کالج سکردو

٣- میں نے آپ لوگوں کا بھیجا ہوا رسالہ پڑھا بہت خوشی ہوئی آئندہ رسالہ بھیجنے کے لئے آپ کے نام خط لکھ رہا ہوں قبول کریں اور آئندہ میرے نام رسالہ بھیجتے رہیں۔

سید شمس الدین ولد سید محمد شاہ
پیر نور بخشیہ کورلیس بلتستان

٤- ارسال کردہ رسالہ "نوائے صوفیہ" بذریعہ بک پوسٹ موصول ہوا شکریہ۔ آئندہ مستقل خریدار کی حیثیت سے رسالہ میرے نام بھیجتے رہیں۔ مدت سے تمنا تھی کہ نوائے صوفیہ پھر سے شروع ہوتا تو کیا اچھا ہوتا مگر یہ تمنا دل ہی دل میں رہ گئی تھی۔ آج اللہ کا شکر ہے کہ یہ تمنا پوری ہو گئی۔ یہاں کے عمائدین عوام رسالہ کے دوبارہ اجراء پر مشکور ہیں۔ انشاء اللہ ہم بھی تعاون کریں گے۔ رسالہ مستقل طور پر جاری رکھنے کی کوشش کریں۔

سید زاہد حسین الموسوی
میر واعظ خانقاہ معلیٰ سیغ بلتستان

٥- نوائے صوفیہ کا تازہ شمارہ پڑھنے کا موقع ملا، انتہائی خوشی ہوئی رسالہ کی اشاعت زیرِ امارت کے تمام ارکان کو مبارک باد رسالہ اگر اسم بامسمیٰ ہو تو زیادہ پرکشش ہو سکتا ہے اس میں اورادِ فتحیہ، عصریہ اور صبحیہ کی تشریح اور تصوف کی برگزیدہ ہستیوں کی پاک سوانح عمری یکے بعد دیگرے قسط وار شائع کرنے کا اہتمام کریں پیر صاحب مرحوم کے بارے میں نظم نے متاثر کیا فقہی مسائل میں قصاص و دیت سے متعلق جدید دور کے تقاضوں کے تحت علامہ کی تحریر معلومات افزا تھی ان تحریروں سے کافی معلومات حاصل ہوئیں۔ رسالہ نوربخشی جوانوں کے لئے جہاں اصول و فروع کی اصلاح کا فریضہ سرانجام دیتا ہے وہاں کردار سازی اور اخلاقیات کی تعلیم و تربیت کا بندوبست بھی کرتا ہے۔ قارئین کو اس رسالہ سے استفادہ کرنے اور تائید و تعاون کی توفیق عطا ہو۔ آمین۔

محمد ابراہیم فیضی یوچنگ بلتستان

٦- نوائے صوفیہ میں بعض مضامین اچھے آئے ہیں مگر کچھ مسائل کی ضرورت سے زیادہ تشریح کی گئی ہے مثلاً پاؤں پر مسح کرنے یا نجاست کی وجہ سے دھونے کا مسئلہ۔ یہ مسئلہ اگرچہ فقہ احوط میں دیا ہوا ہے مگر اس کی مزید تشریح کرنے کے لئے پیر نوربخشیہ سے منظوری لینی چاہئے تھی۔ اگر کسی ایسے مسئلہ کے بارے میں کہیں سے کوئی سوال آئے جو فقہ احوط میں صریحاً موجود ہے تو ایسے سوال کا جواب فقہ کے صفحہ نمبر کے حوالے سے دینا چاہئے تاکہ لوگ غلط فہمی کا شکار نہ ہوں اگر جواب تشریح طلب ہو تو ایسا

سوال پیر صاحب کو بھیجا جانا چاہیئے۔ فقہ اور اصول کے علاوہ دیگر مضامین کا پیر صاحب کو دکھانا ضروری نہیں اہمیت پیر اور ائمہ طاہرین کے بارے میں بھی مضامین شائع ہونے چاہئیں باقی رہا رسالے کی اہمیت اور ضرورت کا سوال تو اس کی افادیت سے کوئی بھی شخص انکار نہیں کر سکتا کیونکہ یہ تبلیغ کا اہم ذریعہ ہے مذہب کی تبلیغ اور عوام میں دینی شعور بیدا کرنے کے لئے نشر و اشاعت کا یہ سلسلہ چلتا رہنا چاہیئے۔

شیخ سکندر حسین کراچی

۷- نوائے صوفیہ کی دوبارہ اشاعت پر آپ مع پوری قوم مبارکباد کے مستحق ہیں۔ اللہ رب العزت سے دعا ہے کہ ہمیں مستقل مزاجی اور معاملہ فہمی سے دین کی خدمت کرنے کی توفیق عطا فرمائے ضرورت اس امر کی ہے کہ رسالہ قرآنی آیات، احادیث رسولؐ اور پیران عظام اور صوفیائے عالی مرتبت کے نصیحت آمیز اقوال پر مشتمل ہو تاکہ تمام مسلمان یکساں طور پر مستفید ہو سکیں۔

غلام محمد سکردو بلتستان

۸- نوائے صوفیہ کی اشاعت سے دل میں خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ ہمارے دانشوروں نے ہم جیسے لوگوں کو دینی مسائل اور بدلتے ہوئے حالات سے آگاہ کرنے کے لئے نوائے صوفیہ کا اجراء کر کے دانشمندانہ اقدام کیا ہے۔ آئندہ مستقل خریداروں کی فہرست میں میرا نام بھی شامل کیا جائے۔

فرمان علی ساقی

گورنمنٹ ہائی سکول سکردو بلتستان

۹- آج مورخہ ۲۹-۵-۹۲ء کو انجمن فلاح و بہبود صوفیہ نوربخشیہ سکردو کا ایک اجلاس زیر صدارت نو منتخب صدر انجمن جناب غلام حیدر ایڈووکیٹ منعقد ہوا۔ جس کے مہمانِ خصوصی ممتاز عالم دین الحاج مولوی محمد علی صاحب تھے۔ اجلاس میں نوائے صوفیہ کے حالیہ شمارہ نمبر ۴ پر کراچی سے اٹھائے جانیوالے اعتراضات پر تفصیلی بحث ہوئی۔ اور اتفاق رائے سے درج ذیل قرارداد منظور کی گئی۔

۱- یہ کہ نوائے صوفیہ مسلک نور بخشیہ کے لاکھوں پیروکاران کا واحد ترجمان ہے اور اب تک کی اشاعت سے ہم نہ صرف مطمئن ہیں بلکہ کلی طور پر متفق بھی ہیں کیونکہ یہ رسالہ ابلاغ کا ایک موثر ترین ذریعہ ہے اس اجلاس کی رائے ہے کہ اگر کسی اہل علم یا عالم دین کو کسی مسئلے سے جزوی طور پر اختلاف ہو تو ایسے علمائے کرام کو چاہیئے کہ وہ اپنی وضاحت ما فی الضمیر سے مدیر نوائے صوفیہ کو مطلع کرے اور اشاعت کی درخواست کرے اور مدیر نوائے صوفیہ اس اخلاقی مسئلہ پر وضاحت کو شائع کرے۔

۲- نوائے صوفیہ کے مدیر سے ہم یہ بھی توقع رکھنے میں حق بجانب ہوں گے کہ علم و ادب اور تحقیق و جستجو کے فروغ کے لئے اپنے آئندہ شماروں میں ایسے مضامین کو بھی شائع کریں جن میں کسی مسئلے سے اختلاف کیا گیا ہو۔ اور مناسب ہو تو مزید وضاحت اور بحث کے ذریعے قارئین کو مطمئن کریں۔

۳- "نوائے صوفیہ" کو ایک علمی رسالے کا درجہ دینے کے لئے اجلاس تمام علم و ادب کے علمبرداروں سے گذارش کرتا ہے کہ وہ زیادہ سے زیادہ نگارشات نوائے صوفیہ کو ارسال کریں۔

۴- نوائے صوفیہ کے مضامین میں ابہام پایا جائے تو پیر نوربخشیہ کی ذمہ داری ہے کہ وہ اس سلسلے میں تفصیل سے روشنی ڈالیں اور اس ابہام کو دور کریں۔

دیگر ناقدین سے بھی یہ توقع کی جاتی ہے کہ تنقید برائے تنقید سے گریز کریں۔ اور اس ترجمان تصوّف کو اپنی نگارشات اور علمی و ادبی تحقیقات سے نوازیں اور اس کی اشاعت کو بڑھانے میں مدد کریں۔

شرکائے اجلاس

(۱) الحاج مولوی محمد علی (۲) صوفی غلام محمد (۳) غلام حیدر ایڈووکیٹ (۴) غلام عباس (۵) غلام حسین (۶) عبد الخالق (۷) عبد الکریم (۸) محمد صادق (۹) ذاکر احمد (۱۰) سجاد حسین (۱۱) غلام عباس (۱۲) سلیم اللہ۔

باقی صفحہ ۱۴ پر

دُنیائے تصوف کی خبریں // غلام حسین معروفی

ا۔ روحانیت کی بہار

اس بار بلتستان سے خبر آئی ہے کہ رمضان المبارک کے مہینے میں کثیر تعداد میں اہل تصوف نے اعتکاف میں بیٹھنے کا شرف حاصل کیا۔ اسی طرح عروس البلاد کراچی میں بھی کچھ مومنین نے چلہ کشی کی۔ درحقیقت ہمارے اسلاف نے تزکیہ نفس کے لئے خانقاہوں میں چلہ خانے بنائے تھے تاکہ تنہائی میں بیٹھ کر ذکر و فکر اور مجاہدہ مراقبہ کیا جا سکے اور سالکین کو صفائی قلب، پاکیزگی نفس اور ایمان کی تازگی حاصل ہو سکے۔ ادارہ نوائے صوفیہ تمام مومنین کو مبارک باد پیش کرتا ہے۔

۲۔ پروانۂ تصوف کا اعزاز

تصوف کے معروف محقق اور ممتاز عالم دین مولانا غلام حسن حسنی صاحب کی تصنیف "بلتستان میں اشاعت اسلام" کی تقریب رونمائی میرپور آزاد کشمیر میں زیر صدارت سردار عتیق صاحب منعقد ہوئی جس میں تمام کشمیر محققین اور دانشوروں نے مولانا صاحب کو ان کے گراں قدر علمی کارنامے پر خراج تحسین پیش کیا۔ ساتھ ہی حکومت آزاد کشمیر نے مصنف کے لئے پچیس ہزار روپے نقد انعام کا اعلان کیا ہے اور کتاب کے پبلشر کو بھی پچاس ہزار روپے کے گرانٹ کی پیش کش کی ہے ادارہ نوائے صوفیہ اس اہم کامیابی پر جناب غلام حسن صاحب کو ہدیہ تبریک پیش کرتا ہے۔

اقوال صوفیہ

غلام محمد سکردو

ا۔ صفت الٰہی سے عبرت حاصل نہ کرنے والی آنکھ کا اندھا ہونا بہتر ہے اور جو زبان اللہ کے ذکر سے عاری ہے اس کا گنگ ہونا بہتر ہے اور جو کان حق بات سننے سے قاصر ہے اس کا بہرا ہونا اچھا ہے اور جو جسم عبادت سے محروم ہے اس کا مردہ ہو جانا افضل ہے۔

حضرت جنید بغدادیؒ

۲۔ حضرت ابراہیم ادھمؒ نے شقیق بلخیؒ سے پوچھا کہ شہر کے فقیروں کو کس حال میں چھوڑ کر آ رہے ہو۔ انہوں نے کہا کہ بہت اچھے حال میں یعنی اگر ملے تو شکر کرتے ہیں اور نہ ملے تو صبر کرتے ہیں۔ ابراہیم ادھمؒ نے فرمایا کہ اس حال میں تو میں بغداد کے کتوں کو بھی چھوڑ آیا تھا۔ شقیقؒ نے پوچھا کہ پھر آپ ہی بتائیے کہ فقیروں کو کس حال میں ہونا چاہیئے۔ فرمایا کہ فقیروں کو تو ایسا ہونا چاہیئے کہ اگر نہ ملے تو شکر کریں اور ملے تو ایثار کریں یعنی اپنا حصہ دوسروں کو دے ڈالیں شقیقؒ نے یہ جواب سُنا تو آپ کے پیر چومتے ہوئے کہا کہ حقیقت یہی ہے جو آپ نے بیان کی۔

رسالہ ہٰذا میں شائع ہونے والے فقہی امور پر مشتمل مضامین کا جناب سید محمد شاہ صاحب پیر نور بخشیہ نے مطالعہ فرمایا ہے اور ابو العرفان علامہ محمد بشیر صاحب کے ارسال کردہ مضمون "مجموعۂ شریعت محمدیہ" میں دو مقامات پر موجود ابہام کی نشاندہی کی ہے چونکہ قبلہ پیر صاحب نے رسالہ ہٰذا میں اختلافی مسائل شائع نہ کرنے کی ہدایت کی تھی اور "نوائے صوفیہ" کے بورڈ آف ڈائریکٹرز کے اراکین بھی اس مضمون کی اشاعت کے بارے میں اختلاف رائے کا شکار تھے اس لئے موجودہ شمارے میں اس مضمون کو شائع نہ کرنے کا فیصلہ کیا گیا ہے۔ اس سلسلے میں ہم علامہ صاحب سے معذرت خواہ ہیں نوائے صوفیہ کو جہاں قارئین کی ایک کثیر تعداد نے خراج تحسین پیش کیا ہے وہاں اہل علم حضرات نے بھی اپنی نگارشات برائے اشاعت ارسال کی ہیں۔ اس میں سے جو معیاری مضامین موصول ہوئے انہیں قسط نمبر ۵ میں شامل کیا گیا ہے۔ دیگر مضامین انشاء اللہ باری آنے پر اگلی قسطوں میں شائع کئے جائیں گے۔ نوائے صوفیہ میں اشاعت کے لئے ایسے مضامین کو اوّلیت دی جائے گی جو علمی اور تحقیقی حیثیت کے حامل ہوں۔

(مدیر)

قارئین سے گذارش ہے کہ معلومات کے لئے ہمارے درج ذیل نمائندوں سے رجوع کریں۔

(۱) خپلو بلتستان ——— انجنیئر فدا علی صاحب سرگیپ
(۲) سکردو ——— صدیق اسٹیشنرز چشمہ بازار
(۳) گلگت ——— ماسٹر شکور علی انور صاحب
(۴) کھرکو، بلغار، ڈغونی، تھلے ——— ماسٹر غلام نبی ہائی اسکول ڈغونی
(۵) چھوربٹ ——— ڈاکٹر غلام مہدی سول ہسپتال سکسہ
(۶) براہ بلتستان ——— ماسٹر مراد علی نوری
(۷) کاندے، حوشے، مچلو، تلیس ——— ماسٹر حیدر صاحب مچلو
(۸) سینو، فقگس ——— سید زاہد حسین الموسوی سینو
(۹) کراچی ——— محمد عارف (اسسٹنٹ ڈائریکٹر)
(۱۰) مری ——— محمد یوسف خان پنڈی پوائنٹ
(۱۱) کوئٹہ ——— محمد علی سرگیپ والے
(۱۲) لاہور ——— محمد اشرف / زاہد حسین / شاہ شمس کاری)
(۱۳) راولپنڈی ——— ذوالفقار علی (طالب علم انجنیئرنگ یونیورسٹی ٹیکسلا)

تمام نمائندوں سے عرض ہے کہ خط و کتابت کے لئے درج ذیل پتہ بروئے کار لائیں۔ بشکریہ

(جی ایچ معروفی فلیٹ، بلاک ۱۴ کیٹگری ۱۷ آئی ایٹ I اسلام آباد)

ادارہ نوائے صوفیہ انجمن فلاح و بہبود کراچی، خاص کر کاچو آصف کا شکر گذار ہے کہ انہوں نے دیانتداری کا مظاہرہ کرتے ہوئے ہماری اجازت کے بغیر نوائے صوفیہ کے اندرونی صفحوں پہ اُن کی وحدانیت کو برقرار رکھنے کے لئے کافی رقم خرچ کرکے ایک اشتہار چھپوا کر لوگوں میں تقسیم کرکے اعلیٰ معیارِ اخلاق کا مظاہرہ کیا ہے اور انجمن محمدیہ اسلام آباد پر بڑا احسان اور مالی اعانت کی ہے جو کہ ہمیشہ یاد رہے گا! بہرحال اس سلسلہ میں صرف دو عدد خطوط موصول ہوئے ہیں جن میں اخلاق سے گری ہوئی باتیں تحریر ہیں خط لکھنے والوں نے صرف اپنا نام لکھا ہے مگر پتہ درج نہیں ہے جس کی وجہ سے ادارہ نوائے صوفیہ ان دونوں خطوط کو رسالہ میں جگہ دینے سے قاصر ہے۔

(نوٹ) سوائے کراچی شہر کے باقی تمام جگہوں سے رسالہ کی قیمت وصول ہوئی ہے۔ (ادارہ)

مغالطے مستنصر صاحب کے

تحریر: غلام حسین معروفی

پاکستان ٹیلیویژن سنٹر اسلام آباد کے میزبان اور ممتاز ادیب جناب مستنصر حسین تارڑ صاحب کے تازہ سفرنامے "نانگا پربت" "بلتستان داستان" میں متعدد مقامات پر لغزشِ قلم کا مظاہرہ ہوا ہے۔ مثلاً صفحہ نمبر ۶۹ پر تارڑ صاحب لکھتے ہیں "وادیٔ خپلو میں بہت سے علماء پیدا ہوئے۔ ان میں میر محمد نور بخشؒ سرِفہرست ہیں۔"

ایک دوسری جگہ تحریر ہے "کریس کی معروف خانقاہ میں دو منبر تھے۔ اس خانقاہ) میں شیعہ اور سُنّی مسلک کے لوگ اکٹھے نماز پڑھتے ہیں۔"

اس سلسلے میں یہ وضاحت کرنا ضروری ہے کہ تارڑ صاحب نے اصل حقائق معلوم کئے بغیر سُنی سُنائی باتیں لکھ ڈالی ہیں۔ حقیقتِ حال یہ ہے کہ شاہ سید محمد نور بخشؒ ایران کے مشہور شہر قہستان میں پیدا ہوئے تھے۔ وہ تو صرف اشاعتِ اسلام کی غرض سے بلتستان تشریف لائے تھے۔ جہاں تک خانقاہ والی بات کا تعلق ہے۔ یہ خانقاہ صوفیہ نور بخشیہ مکتبِ فکر والوں کی ہے۔ بعد میں کچھ نور بخشی حضرات نے اہلِ تشیع کا مذہب اپنایا اور کچھ سُنّی ہو گئے۔ جو لوگ شیعہ ہو گئے۔ انہوں نے اپنے امام بارگاہ بنائے جبکہ اہلِ سنت اور اہل نور بخشیہ خانقاہ مذکورہ میں الگ الگ جماعت قائم کرتے تھے۔ مگر اب سُنا ہے کہ اہل سنت کے پیروکاروں نے بھی اپنی الگ مسجد بنالی ہے۔

مندرجہ بالا باتوں کے علاوہ تارڑ صاحب نے ایک اور جگہ یہ بھی لکھا ہے کہ میر مختارؒ نے اسلامی فقہ پر ایک کتاب تحریر کی۔ حالانکہ جس فقہی کتاب کا یہ ذکر کر رہے ہیں وہ شاہ سید محمد نور بخشؒ کی مجموعہ شریعتِ محمدیہؐ پر مشتمل معروف تصنیف "الفقہ الاحوط" ہے جو عربی زبان میں ہے اور ان دنوں اردو ترجمے کے ساتھ بھی دستیاب ہے۔ صوفیہ نور بخشیہ مکتبِ فکر کے لوگ اسی فقہی کتاب پر عمل کرتے ہیں۔

اُمید ہے کہ تارڑ صاحب اپنی کتاب کے آئندہ ایڈیشن میں ان غلطیوں کا ازالہ فرمائیں گے۔ اگر وہ اس سلسلے میں کچھ تحریر کرنا چاہیں تو نوائے صوفیا کے صفحات حاضر ہیں۔

فی پرچہ ۶/- روپے سالانہ بذریعہ بک پوسٹ ۳۰/- روپے

علی احمد قمر

ژہلترو گو نما

نعتِ رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم

فخرِ دو عالم نجاتِ نوعِ انساں آپؐ ہیں
جو نہیں ممکن اُسی کی وجہِ امکاں آپؐ ہیں

ہیں بنائے دینِ حق تکمیلِ ایماں آپؐ ہیں
حق تو یہ ہے حاصلِ تفسیرِ قرآں آپؐ ہیں

بزمِ دو عالم میں شمعِ رُشد بن کر آئے ہیں
آپ ہر مشکل کا حل ہر دُکھ کا درماں آپؐ ہیں

چاند سورج کہکشاں میں آپ کا عکسِ جمیل
اور کیا کہیئے کہ عکسِ حُسنِ یزداں آپؐ ہیں

محفلِ دُنیا و دیں کی رونقیں ہیں آپؐ سے
داستانِ بزمِ دو عالم کا عنواں آپؐ ہیں

نورِ حق سر چشمۂ رحمت مجسم روشنی
وجہِ تسکینِ نظر ہیں راحتِ جاں آپؐ ہیں

آپؐ کے لُطف و کرم سے ہے قمرؔ کی زندگی
حشر کے دن بھی مری بخشش کا ساماں آپؐ ہیں